قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (آل عمران:74)

روزنامہ

الفضل

لندن

مدیر: ابو سعید

Online Edition

منگل 18 فروری 2020ء | 23 جمادی الثانی 1441 ہجری قمری | جلد: 2 | شمارہ: 42

ارشاد باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ فرماتاہے۔

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّیَّتُهُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّیَّتَهُمۡ وَ مَاۤ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ کُلُّ امۡرِیًٴۢ بِمَا کَسَبَ رَهِیۡنٌ ﴿۲۲﴾ (الطور:22)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان کی بدولت اُن کی پیروی کی ان کے ساتھ ہم ان کی اولاد کو بھی ملا دیں گے جبکہ ان کے عمل میں سے انہیں کچھ بھی کم نہ دیں گے ۔ ہر شخص اپنے کمائے ہوئے کا رہین ہے۔

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

پیشگوئی در بارہ مصلح موعودؓ

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

خدائے رحیم وکریم بزرگ وبرتر نے جو ہر یک چیز پر قادر ہے (جلّ شانہٗ و عزّ اسمہ) مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا:

’’میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرّعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایہ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا۔ تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰؐ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔

سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذرّیت ونسل ہوگا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے وہ نور اللہ ہے مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔

اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت وغیوری نے اسے اپنے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری وباطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاوّل والآخر مظہر الحق و العلاء کان اللّٰہ نزل من السماء جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ و کان امرًا مقضیًّا.‘‘

﴿اشتہار 20 فروری 1886ء﴾

اس شمارہ میں

(اداریہ) اخبار الفضل کا اجراء ۔ مصلح موعودؓ کا ایک کارنامہ
قرآن کریم اور حضرت مصلح موعودؓ
حضرت مصلح موعودؓ کا بے مثال عشق رسولؐ
حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی نظر میں مصلح موعودؓ کا مقام
شان مصلح موعودؓ (نظم)
اِخلاقِ محمود
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ملی خدمات
غیر از جماعت کا حضرت مصلح موعودؓ کو خراج عقیدت
وابستگی و اطاعت خلافت۔ حضرت مصلح موعودؓ کے ارشادات کی روشنی میں
ہوشیارپور میں خلوت کی عبادت اور الہام پسر موعود
اسی کے موافق جو تو نے مانگا
سیرت حضرت مصلح موعودؓ کے حسین پہلو
ارضِ ربوہ جس کی شاہد ہے، وہ معمولی نہ تھا
روزنامہ الفضل کی اہمیت و برکات
محترم امیر ضلع راولپنڈی اور محترم منور شمیم خالد کی وفات ص11

فرمانِ رسول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں۔

یَنْزِلُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اِلَی الْاَرْضِ فَیَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ

ترجمہ: حضرت عیسیٰؑ دنیا میں تشریف لائیں گے وہ شادی کریں گے اور ان کو اولاد دی جائے گی۔ (مشکوٰۃ کتاب الفتن باب نزول عیسیٰ۔ الفصل الثالث)

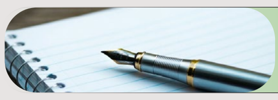

اداریہ

اخبار الفضل کا اجرا۔ مصلح موعودؓ کا ایک کارنامہ

”سوانح فضل عمر جلد اوّل“ کا اقتباس آج اس شمارے کے اداریے کے طور پر دیا جارہا ہے جو اس شمارے کی خوبصورتی میں چار چاند لگانے کے مترادف ہے۔ (ایڈیٹر)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے کارنامہ الفضل کے اجراء پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے تحریر فرمایا۔

تشحیذ اگرچہ جماعت کی علمی ضروریات کو بہت حد تک بڑی عمدگی سے پوری کررہا تھا، لیکن حضرت صاحبزادہ صاحب نے بجاطور پر یہ ضرورت محسوس کی کہ جب تک سلسلہ کا ایک باقاعدہ اخبار جاری نہ ہو صحیح معنوں میں مرکز اور جماعت کے مابین رابطہ قائم نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اس شدید ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے آپ نے جون 1913ء میں الفضل اخبار کا اجراء فرمایا۔ یہ اخبار آج تک جماعت احمدیہ کا مرکزی روزنامہ چلا آرہا ہے۔ اس بارہ میں ”اعلانِ فضل“ کے عنوان کے تحت آپ نے ایک اشتہار شائع کیا جس میں آپ نے اس فلسفہ پر روشنی ڈالی کہ بعض چھوٹے چھوٹے امور کس طرح بڑے ہو جاتے ہیں اور ایک چھوٹے سے بیج سے کس طرح بڑے بڑے عظیم القامت درخت بن جاتے ہیں۔ فرمایا: یہی مثال روحانی سلسلوں کی ہے گذشتہ الٰہی سلسلوں کی طرح جماعت احمدیہ کی ضروریات بھی بڑھتی چلی جاری ہیں۔ پھر فرمایا:۔

”اس لئے بموجب ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح توکلاً علی اللہ اس اخبار کو شائع کرنے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ ہمارا کام کوشش ہے۔ برکت اور اتمام خداتعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ لیکن چونکہ یہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہے اس لئے اس کی مدد کا یقین ہے۔ بے شک ہماری جماعت غریب ہے لیکن ہمارا خدا غریب نہیں ہے اور اس نے ہمیں غریب دل نہیں دیئے۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ جماعت اس طرف پوری توجہ کرے گی۔ اور اپنی بے نظیر ہمت اور استقلال سے کام لے کر، جو وہ اب تک ہر ایک کام میں دکھاتی رہی ہے اس کام کو بھی پورا کرنے کی کوشش کرے گی اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مذکورہ بالا تحریر کو صرف ارادوں اور خواہشوں تک ہی نہ رہنے دے۔ اور سلسلہ کی ضروریات کے پورا کرنے میں ہمارا ہاتھ بٹائے۔“

(”بدر“ قادیان 5 جون 1913ء ص 17)

ان علمی خدمات کے پیچھے قربانی اور ایثار، شوق اور جذب کے جو جذبات کار فرما تھے، ان کا کچھ اندازہ ان ذاتی قربانیوں سے ہوسکتا ہے جو آپ نے اور آپ کے اہل بیت نے ان اخبارات و رسائل کے سلسلہ میں پیش کیں۔ اس ضمن میں حضرت صاحبزادہ صاحب کی بعض بعد کی تحریرات کے چند اقتباس ناظرین کی دلچسپی کا موجب ہوں گے۔

”مجھے اس وقت ساٹھ روپے ملتے تھے جن میں سے دس روپے ماہوار تو تشحیذ پر خرچ کرتا تھا۔ دو بچے تھے بیوی تھی اور گو کوئی خاص ضرورت تو نہ تھی مگر خاندانی طور طریق کے مطابق ایک کھانا پکانے والی اور ایک خادمہ بچوں کے رکھنے اور اوپر کے کام میں مدد دینے کیلئے میری بیوی نے رکھی ہوئی تھی۔ سفر اور بیماری وغیرہ کے اخراجات بھی اس میں سے تھے۔ پھر مجھے کتابوں کا شوق بچپن سے ہے چنانچہ اس گزارہ سے اپنی علمی ترقی کے لئے اور مطالعہ کے لئے کتابیں بھی خریدتا رہتا تھا اور کافی ذخیرہ میں نے جمع کرلیا تھا۔“

(الفضل 28 دسمبر 1939ء)

”بدر اپنی مصلحتوں کی وجہ سے ہمارے لئے بند تھا۔ الحکم اول تو ٹمٹماتے چراغ کی طرح کبھی کبھار نکلتا تھا اور جب نکلتا بھی تھا تو اپنے جلال کی وجہ سے لوگوں کی طبیعتوں پر جو اس وقت بہت نازک ہو چکی تھیں، بہت گراں گزرتا تھا۔ ریویو ایک بالا ہستی تھی جس کا خیال بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میں بے مال و زر تھا۔ جان حاضر تھی۔ مگر جو چیز میرے پاس نہ تھی وہ کہاں سے لاتا۔ اس وقت سلسلہ کو ایک اخبار کی ضرورت تھی جو احمدیوں کے دلوں کو گرمائے۔ ان کی سستی کو جھاڑے۔ ان کی محبت کو ابھارے، ان کی ہمتوں کو بلند کرے اور یہ اخبار ثریا کے پاس ایک بلند مقام پر بیٹھا تھا۔ اس کی خواہش میرے لئے ایسی ہی تھی جیسے ثریا کی خواہش۔ نہ وہ ممکن تھی نہ یہ۔ آخر دل کی بے تابی رنگ لائی۔ امید بَر آنے کی صورت ہوئی۔ ...خدا تعالیٰ نے میری بیوی کے دل میں اسی طرح تحریک کی جس طرح خدیجہؓ کے دل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدد کی تحریک کی تھی۔ انہوں نے اس امر کو جانتے ہوئے کہ اخبار میں روپیہ لگانا ایسا ہی ہے جیسے کنویں میں پھینک دینا اور خصوصاً اس اخبار میں جس کا جاری کرنے والا محمود ہو جو اس زمانہ میں شاید سب سے زیادہ مذموم تھا، اپنے دو زیور مجھے دے دیئے کہ میں ان کو فروخت کرکے اخبار جاری کر دوں۔ ان میں سے ایک تو ان کے اپنے کڑے تھے اور دوسرے ان کے بچپن کے کڑے تھے جو انہوں نے اپنی اور میری لڑکی عزیزہ ناصرہ بیگم سلّمہا اللہ تعالیٰ کے استعمال کے لئے رکھے ہوئے تھے۔“

یہ زیور حضرت صاحبزادہ صاحب نے خود لاہور جاکر پونے پانچ سو روپے میں فروخت کئے۔ یہ تھا ”الفضل“ کا ابتدائی سرمایہ۔ (سوانح فضل عمر جلد اوّل ص 238)

کلام حضرت مصلح موعودؓ

حضرت مصلح موعودؓ کی اپنے پیاروں کے لئے نصائح

میں اپنے پیاروں کی نسبت
ہرگز نہ کروں گا پسند کبھی
وہ چھوٹے درجہ پہ راضی ہوں
اور اُن کی نگاہ رہے نیچی
وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر
شیروں کی طرح غراتے ہوں
ادنیٰ سا قصور اگر دیکھیں
تو منہ میں کف بھر لاتے ہوں
وہ ادنیٰ ادنیٰ خواہش کو
مقصود بنائے بیٹھے ہوں
شمشیرِ زباں سے گھر بیٹھے
دشمن کو مارے جاتے ہوں
میدانِ عمل کا نام بھی لو
تو جھینپتے ہوں گھبراتے ہوں
گیدڑ کی طرح وہ تاک میں ہوں
شیروں کے شکار پہ جانے کی
اور بیٹھے خوابیں دیکھتے ہوں
وہ ان کا جوٹھا کھانے کی
اے میری الفت کے طالب!
یہ میرے دل کا نقشہ ہے
اب اپنے نفس کو دیکھ لے تُو
وہ ان باتوں میں کیسا ہے
گر تیری ہمت چھوٹی ہے
گر تیرے ارادے مردہ ہیں
گر تیری امنگیں کوتہ ہیں
گر تیرے خیال افسردہ ہیں
کیا تیرے ساتھ لگا کر دل
میں خود بھی کمینہ بن جاؤں
ہوں جنت کا مینار، مگر
دوزخ کا زینہ بن جاؤں
ہے خواہش میری الفت کی
تو اپنی نگاہیں اونچی کر
تدبیر کے جالوں میں مت پھنس
کر قبضہ جا کے مقدر پر
میں واحد کا ہوں دل دادہ
اور واحد میرا پیارا ہے
گر تُو بھی واحد بن جائے
تو میری آنکھ کا تارا ہے
تُو ایک ہو ساری دنیا میں
کوئی ساجھی اور شریک نہ ہو
تُو سب دنیا کو دے لیکن
خود تیرے ہاتھ میں بھیک نہ ہو

(اخبار الفضل جلد 17 ۔ 10 جولائی 1930ء)

ندیم احمد فرخ

قرآن کریم اور حضرت مصلح موعودؓ

حضرت مسیح موعودؑ نے 20 فروری1886ء کو ایک اشتہار شائع فرمایا اور ایک پیش گوئی جو کہ بلاشبہ خوشخبری تھی سنائی کہ خدا تعالی مجھے ایک بیٹا عطا فرمائے گا جس کی 52 صفات ہوں گی آپؑ نے ''فرزند موعود'' کی ان صفات اور اس پیش گوئی کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

'' تا اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہواور تاحق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے۔وہ سخت ذہین و فہیم ہو گا اور دل کا حلیم ہو گا اور علومِ ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا۔''

(مجموعہ اشتہارات جلد اوّل ص95)

حضرت مصلح موعودؓ کی علم قرآن میں مہارت اورعشق ومحبت کا احوال ذیل میں بیان کیاجاتاہے۔

تعلیم القرآن

حضرت مصلح موعودؓ کی تعلیم القرآن کی ابتداء 1895 ء میں ہوئی حافظ احمد اللہ صاحب ناگپوری کو یہ سعادت حاصل ہوئی انہوں نے آپ کو قرآن کریم سادہ پڑھایا ۔

7 جون 1897ء کا دن حضرت مصلح موعودؓ کی زندگی میں اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس دن آپؓ نے قرآن کریم کا پہلا دور مکمل فرمایا تھا اور اس دن کی جماعت کی تاریخ میں بھی ایک خاص اہمیت ہے وہ یہ کہ اسی روز حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے اپنے اس بیٹے کی بڑی دعاؤں کے ماحول میں تقریب آمین کا اہتمام فرمایا تھا چنانچہ اس مبارک موقعہ پر آپ نے ایک نظم بعنوان ''آمین'' جس میں اپنی تمام مبشر اولاد کے لئے عموماً اور سیّدنا مصلح موعودؓ کے لئے خصوصاً دردِ دل کے ساتھ دعائیں کی ہیں۔ آپؑ اپنی اس نظم میں فرماتے ہیں ۔

تو نے یہ دن دکھایا محمود پڑھ کے آیا
دل دیکھ کر یہ احساں تیری ثنایں گایا
صد شکر ہے خدایا صد شکر ہے خدایا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَن یَّرَانِی
ہے آج ختم قرآن نکلے ہیں دل کے ارماں
تونے دکھایا یہ دن میں تیرے منہ کے قرباں
اے میرے رب محسن کیوں کر ہو شکر رحماں
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَن یَّرَانِی
لختِ جگر ہے میرا محمود بندہ تیرا
دے اس کو عمر و دولت کر دور ہر اندھیرہ
دن ہوں مرادوں والے پُر نور ہو سویرا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَن یَّرَانِی

(درثمین)

آپؓ کا علم قرآن

حضرت مصلح موعودؓکے علم القرآن کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 1906ء میں آپ نے پہلی پبلک تقریر کی۔یہ پُرمعارف تقریر جو آپؓ نے صرف 17 برس کی عمر میں فرمائی تھی ردِ شرک میں تھی اور ''چشمہ توحید''کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ اس تقریر کے دوسرے حصہ میں آپؓ نے سورہ لقمان کے دوسرے رکوع کی نہایت لطیف تفسیر فرمائی۔ آپؓ فرماتے ہیں۔

''اب میں خود اس تقریر کو پڑھ کر حیران ہو جاتا ہوں کہ وہ باتیں کس طرح میرے منہ سے نکلی اور اگر اب بھی وہ باتیں بیان کروں تو یہی سمجھوں گا کہ خداتعالی نے اپنے فضل سے سمجھائی ہیں۔'' (سیّدنا مصلح موعودؓ نمبر جون ،جولائی2008)

حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد ہونے والے جلسہ میں آپ نے تقریر فرمائی جب تقریر ختم ہوگئی تو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے فرمایا ۔

''میاں نے بہت سی آیات کی ایسی تفسیر کی ہے جو میرے لئے بھی نئی تھی۔'' (روزنامہ الفضل 5نومبر1938ء)

آپؓ کی بیان فرمودہ تفاسیر ہمارے لئے بیش بہا خزانہ ہیں کیونکہ یہ تفاسیرآپ کو خدا نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ سے سکھلائی ہیں۔1907ء میں آپؓ کو ایک فرشتہ نے سورہ فاتحہ کی تفسیر سکھلائی آپؓ اس رؤیا کا ذکر کرتے ہوئے خود فرماتے ہیں۔

''یہ رؤیا اصل میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا تھا کہ اللہ تعالی نے بیج کے طور پر میرے دِل اور دماغ میں قرآنی علوم کا خزانہ رکھ دیا ہے'' (انوار العلوم جلد17 صفحہ 571)

آپؓ اپنے دروس کے متعلق فرماتے ہیں کہ

''ہمارے ایک استاد تھے میں نے ان کو دیکھا ہے کہ جب میں درس دیتا تو وہ باقاعدہ میرے درس میں شامل ہوتے تھے لیکن اس کے مقابلہ میں میرے ایک اور استاد تھے جب کبھی وہ درس دے رہے ہوتے تو پہلے صاحب مسجد میں آکر انہیں درس دیتے ہوئے دیکھتے تو چلے جاتے اور کہتے کہ اس کی باتیں کیا سننی ہیں۔ یہ تو سنی ہوئی ہیں۔مگر میرے درس میں باوجود اس کے کہ میں ان کا شاگرد تھا بوجہ اس کے کہ مجھ پر حسن ظن رکھتے تھے ضرور شامل ہوتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس کے درس میں اس لئے شامل ہوتا ہوں کہ اس کے ذریعہ قرآن کریم کے بعض نئے مطالب مجھے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ اللہ تعالی کا فضل ہوتا ہے کہ بعض لوگوں پر چھوٹی عمر میں ہی ایسے علوم کھول دئے جاتے ہیں جو دوسروں کے وہم اور گمان میں بھی نہیں ہوتے۔''

(روزنامہ الفضل 26 ستمبر1941ء)

عشقِ قرآن

آپؓ کو قرآن کی تلاوت کرنے اور اس کی آیات پر غوروخوض کرنے کا تو گویا عشق تھا چنانچہ آپؓ اپنے عشقِ قرآن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''ہم نے قرآن کے صرف لفظوں کو نہیں دیکھا بلکہ ہم خود اس کی محبت کی آگ میں داخل ہوئے۔ اور وہ ہمارے وجود میں داخل ہو گئی۔ہمارے دلوں نے اس کی گرمی کو محسوس کیا اور لذت حاصل کی۔ہماری حالت اس شخص کی نہیں جو دیکھتا ہے کہ بادشاہ باغ کے اندر گیا ہے اور وہ باہر کھڑا اس بات کا انتظار کرتا ہے کہ کب بادشاہ باہر نکلے تو میں اس کی دست بوسی کروں بلکہ ہم نے خود بادشاہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور باغ کے اندر داخل ہوئے اور روش روش پھرے اور پھول پھول دیکھا.....خدا تعالی نے ہمیں وہ علوم عطاء فرمائے ہیں کہ جن کی روشنی میں ہم نے دیکھ لیا کہ قرآن ایک زندہ کتاب ہے اور محمد ﷺ ایک زندہ رسول ہے۔''

(الفضل 16اپریل1924)

پھر آپؓ اپنی شہرہ آفاق تقریر ''سیرِ روحانی''میں یوں فرماتے ہیں۔

''پس اے دوستو! میں تمہیں اللہ تعالٰی کے اس عظیم الشان خزانے سے آپ کو مطلع کرتا ہوں۔ دنیا کے تمام علوم اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔دنیا کی تمام تحقیقاتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں اور دنیا کی تمام سائنس اس کے مقابلہ میں اتنی حقیقت بھی نہیں رکھتی جتنی سورج کے مقابلہ میں ایک کرم شب تاب حقیقت رکھتا ہے۔دنیا کے علوم قرآن کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں۔قرآن ایک زندہ خدا کا زندہ کلام ہے اور وہ غیر محدود معار ف و حقائق کا حامل ہے ۔ یہ قرآن جیسے پہلے لوگوں کے لئے کھلا تھا اسی طرح آج ہمارے لئے کھلا ہے.....آج جب کہ دنیا کے علوم میں ترقی ہو رہی ہے یہ پھر بھی کھلا ہے بلکہ جس طرح دنیوی علوم میں زیادتی ہو رہی ہے اسی طرح قرآنی معارف بھی آج کل نئے سے نئے نکل رہے ہیں۔۔۔۔۔ ہمیشہ ہی جو حضرت مسیح موعودؑ نے تقسیم کیے یہ وہی خزائن ہیں جو آج ہم تقسیم کر رہے ہیں دنیا اگر حملہ کرتی ہے تو پروا نہیں، وہ دشمنی کرتی ہے تو سو بار کرے، وہ عداوت و عناد کا مظاہرہ کرتی ہے تو لاکھ بار کرے۔ ہم انہیں کہتے ہیں کہ تم بے شک ہمارے سینوں میں خنجر مارے جاؤ ۔اگر ہم مر گئے تو یہ کہتے ہوئے مریں گے کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا بلند کرتے ہوئے مارے گئے اور اگر جیت گئے تو یہ کہتے ہوئے جیتیں گے کہ ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا دنیا میں بلند کر دیا۔''

(سیرِ روحانی صفحہ96,95)

ایک اور موقعہ پر فرمایا۔

''میں نے تو آج تک نہ کوئی ایسی کتاب دیکھی نہ مجھے ایسا آدمی ملا جس نے مجھے کوئی ایسی بات بتائی جو قرآن کریم کی تعلیم سے بڑھ کر ہو یا قرآن کریم کی کسی غلطی کو ظاہر کر رہی ہویا کم از کم قرآنِ کریم کے برابر ہی ہو۔ محمد ﷺ جس کے سامنے تمام علوم ہیچ ہیں۔

چودہویں صدی ترقی کے لحاظ سے ایک ممتاز صدی ہے۔اس میں بڑے بڑے علوم نکلے۔بڑی بڑی ایجادیں ہوئیں بڑے بڑے سائنس کے عُقدے حل ہوئے۔ مگر یہ تمام علوم محمد ﷺ کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے'' (الفضل 30 جون 1939)

حضرت سیّدہ مریم صدیقہ (ام متین) حرم حضرت مصلح موعودؓ آپؓ کے عشقِ قرآن کے متعلق بیان کرتی ہیں۔

''قرآن کریم کی تلاوت کا کوئی وقت مقرر نہ تھا جب بھی وقت ملا تلاوت کرلی یہ نہیں کہ دن میں ایک بار یا دو بار۔عموماً یہ ہوتا کہ ناشتے سے فارغ ہو کر ملاقاتوں کی اطلاع ہوئی آپ انتظار میں ٹہل رہے ہے قرآن مجید ہاتھ میں ہے لوگ ملنے آگئے قرآن مجید رکھ دیا مل کر چلے گئے پڑھنا شروع کر دیا۔تین تین چار چار دنوں میں عموماًمیں نے ختم کرتے دیکھا ہے۔ہاں جب کام زیادہ ہوتا زیادہ دن میں بھی لیکن ایسا بھی ہوتا تھا کہ صبح سے قرآن مجید ہاتھ میں ٹہل رہے ہیں اور ایک ورق بھی نہیں الٹادوسرے سن دیکھا تو پھر وہی صفحہ میں نے کہنا آپ کے ہاتھ میں قرآن مجید ہے مگر آپؓ پڑھ نہیں رہے تو فرماتے۔

''ایک آیت پر اٹک گیا ہوں جب تک اس کے مطالب حل نہیں ہوتے کس طرح آگے چلوں''

ایک دفعہ یوں ہی خدا جانے مجھے کیا خیال آیامیں نے پوچھا آپ نے کبھی موٹر چلانی بھی سیکھی ؟کہنے لگے ہاں ایک دفعہ کوشش کی تھی مگر اس خیال سے ارادہ ترک کر دیا کہ ٹکر نہ مار دوں ہاتھ سٹیرنگ پر تھے اوردماغ قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر میں الجھا ہوا تھا موٹر کیسے چلاتا۔'' (الفضل 25مارچ1966ء)

آپؓ کے عشقِ قرآن کا ذکر کرتے ہوئے محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد فرماتے ہیں۔

''ایک روز حضرت مصلح موعود گھر کے دالان مین ٹہل رہے تھے اور ہم بچے بھی گھر میں موجود تھے آپؓ نے ہمیں بلایا اور فرمانے لگے کہ قرآن ایک بہت بڑا خزانہ ہے۔جیسے سمندر میں غوطہ خور غوطہ مارتا ہے تو جو بہت محنت کرتا ہے موتی نکال کر لے آتا ہے اور جو تھوڑی محنت کرتا ہے سیپی ہی نکال لاتا ہے۔اس طرح تمہیں ابھی سے قرآن کریم پر غور و فکر کی عادت ڈالنی چاہیے اور موتی نہیں تو سیپی ہی نکال کر لے آؤ۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضور کو قرآن سے کس قدر عشق تھا۔''

(ماہنامہ خالد فروری1991 صفحہ 12)

تفاسیرِ قرآن

آپؓ نے اپنے خطبات میں خطابات میں اور اپنی تصانیف میں جابجا قرآنِ کریم کی پُرمعارف تفسیر فرمائی ہے اس کے علاوہ آپؓ کی مندرجہ ذیل تصانیف خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

تفسیرِ کبیر

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓنے قرآن کریم کی نہایت پر معاف تفسیر بیان فرمائی ہے یہ تفسیر ”تفسیرکبیر“ کے نام سے 10 جلدوں پر مشتمل ہے گو پورے قرآن کی تفسیر تو مکمل نہیں ہو سکی مگر تیار ہونے والی یہ 10جلدیں علم و معرفت کا عظیم خزانہ ہیں۔آپؓ نے یہ تفسیر 1940ء تا 1962ء یعنی 23 سال کے عرصہ میں مکمل فرمائی تفسیرِ کبیر کی پہلی جلد 1940ء میں شائع ہوئی اس پُرمعارف تفسیر میں آپؓ نے ہر آیت کا اگلی آیت سے ربط بیان فرمایا ہے۔ہر آیت کی مفصل حلِ لغت۔ اورخدا تعالیٰ ،قرآن ،اسلام اور بانی اسلام پر ہونے والے اعتراضات کے مفصل ومدلل دندان شکن جوابات دیئے ہیں۔اور بلاشبہ یہ ایک بےمثل تفسیر ہے۔

تفسیرِ صغیر

یہ بھی آپؓ کا ایک بے مثل علمی شاہکار ہے۔ تفسیرِ صغیر پہلی بار 1957 ء میں شائع ہوئی قرآن کریم کا نہایت ہی پیاراترجمہ ہے اور جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں نہایت ہی مختصر اور جامع تفسیر بھی شامل ہے اس کا ترجمہ قرآنی محاورہ کو مدِنظر رکھ کر کیا گیا ہے۔

دیباچہ تفسیرالقرآن

یہ دیباچہ آپؓ نے نہایت قلیل وقت میں لکھوایا تھا۔ آپؓ نے اس میں اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کے دندان شکن جوابات دئے ہیں اور ضرورتِ قرآن کے مضموں پر نہایت ہی پیارے رنگ میں بحث فرمائی ہے اور بانی اسلام حضرت محمد ﷺ کی سیرت کے واقعات پیدائش سے لے کر وصال تک نہایت ہی پیارے انداز میں بیان فرمائے ہیں۔

تفاسیرِ کی تصنیف میں انہماک

حضرت سیّدہ مریم صدیقہ (ام متین) حرم حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتی ہیں۔

”اسی طرح قرآن کریم سے جو آپؓ کو عشق تھا اور جس طرح آپؓ نے اس کی تفسیریں لکھ کر اس کی اشاعت کی وہ تاریخ احمدیت کا ایک روشن باب ہے۔ خداتعالیٰ کی آپؓ کے متعلق پیشگوئی ہے کہ کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہواپنی پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی۔ جن دنوں میں تفسیرِکبیر لکھی نہ آرام کا خیال تھا نہ سونے کا نہ کھانے کا، بس ایک دھن تھی کہ کام ختم ہو جائے۔رات کو عشاء کی نماز کے بعدلکھنے بیٹھے ہیں تو کئی دفعہ ایسا ہوا کہ صبح اذان ہو گئی اور لکھتے چلے گئے۔ تفسیرِصغیر تو لکھی ہی آپؓ نے بیماری کے پہلے حملے کے بعدیعنی 1956ء میں ۔طبیعت کافی کمزور ہو چکی تھی گو یورپ سے واپسی کے بعد صحت ایک حد تک بحال ہو چکی تھی مگر پھر بھی کمزوری باقی تھی ڈاکٹر کہتے تھے کہ آرام کریں ،فکر نہ کریں،زیادہ محنت نہ کریں لیکن آپؓ کو ایک دھن تھی کہ قرآن کے ترجمہ کا کام ختم ہو جائے بعض دن صبح سے شام ہو جاتی اور لکھواتے رہتے۔ کبھی مجھ سے املاء کرواتے۔ مجھے گھر کا کام ہوتا تو مولوی یعقوب صاحب مرحوم کولکھواتے رہے۔آخری صورتین لکھوا رہے تھے غالباً انتیسواں پارہ تھا یا آخری شروع ہو چکا تھا(ہم لوگ نخلہ میں تھے وہیں تفسیر مکمل ہوئی تھی)کہ مجھے بہت تیز بخار ہو گیامیرا دِل چاہتا تھا کہ متواتر کئی دنون سے مجھے ہی ترجمہ لکھوارہے ہیں میرے ہاتھوں ہی ہے مقدس کام ختم ہو۔میں بخار میں مجبور تھی ان سے کہا کہ میں نے دوائی کھالی ہے آج یا کل بخار اتر جائے گا دو دن آپ بھی آرام کر لیں۔آخری حصہ مجھ سے ہی لکھوائیں تا کہ میں ثواب حاصل کر سکوں۔ نہیں مانے کہ میری زندگی کا کیا اعتبار۔ تمہارے بخار اُترنے کے انتظار میں اگر مجھے موت آجائے تو؟ سارہ دن ترجمہ اور نوٹس لکھواتے رہے اور شام کے وقت تفسیرِصغیر کا کام ختم ہو گیا۔“ (الفضل 25مارچ 1966ء)

علمِ قرآن میں تمام دنیا کو چیلنج

آپؓ ایک موعود وجود تھے اس لئے آپؓ نے بارہا تمام دنیا کے اپنے اپنے علوم کے ماہرین کو مقابلہ کی دعوت دی کہ قرآن پر اعتراض کریں آپ کے اعتراض کا جواب آپ کو قرآن سے ہی دوں گا اور علماء کو دعوت دی کہ میرے مقابلہ میں تفسیر لکھیں مگر کسی میں اتنی ہمت پیدا نہ ہوئی ۔چنانچہ آپؓ 1914ء میں مقابلہ کی دعوت دیتے ہوئے یوں گویاں ہوئے۔

”صرف یہی نہیں کہ مسیح موعودؑ میں ہی یہ بات تھی بلکہ آپؑ آگے بھی یہ بات دے گئے ہیں۔اور آپؑ کے طفیل مجھے بھی قرآن کریم کے ایسے معارف عطاکئے گئے ہیں کہ کوئی شخص خواہ کسی عمل کا جاننے والا ہواور کسی مذہب کا پیرو ہوقرآن کریم پر جا چاہے اعتراض کرے۔اللہ تعالی کے فضل سے اس قرآن کریم سے ہی اس کا جواب دوں گا۔ میں نے بارہا دنیا کو چیلنج کیا ہے کہ معارفِ قرآن میرے مقابلہ میں لکھو۔ حالانکہ میں کوئی ماٗمور نہیں ہوں مگر کوئی اس کے لئے تیار نہیں ہوااور اگر کسی نے منظور کرنے کا اعلان بھی کیا تو بے معنی شرائط سے مشروط کرکے ٹال دیا مثلاً بند کمرہ ہو۔کوئی کتاب پاس نہ ہومگر اتنا نہیں سوچتے کہ اگرخیال ہے کہ میں پہلی کتب اور تفاسیر سے معارف نقل کر لوں گا تو وہی کتب تمہارے پاس بھی ہوں گی۔تم بھی ایسا کر سکتے ہو۔پھر اگر میں دوسری کتب سے نقل کر دوں گا تو اپنے ہاتھ سے اپنی ناکامی ثابت کردوں گا۔ کیوں کہ میرا دعوی تو یہ ہے کہ نئے معارف بیان کروں گا۔لیکن جب مقابلہ کے وقت جب پرانی تفاسیر سے نقل کروں گاتو خود ہی میرے لئے شرمندگی اور ندامت کا موجب ہو گا۔مگر میں جانتا ہوں کہ یہ سب بہانے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ کسی کو سامنے آنے کی جرأت ہی نہیں۔“ (الفضل 24۔اپریل 1943ء)

پھر آپ نے 1936ءمیں فرمایا ۔

”قرآن کریم کو وہ عظمت حاصل ہے جو دنیا کی کسی اور کتاب کو حاصل نہیںاور اگر کسی کا یہ دعوی ہو کہ اس کی کتاب بھی کسی اہمیت کی حامل ہے تو میں چیلنج دیتا ہوں کہ و ہ میرے سامنے آئے۔اگر کوئی تورات کا پیرو ہے تو میرے سامنے آئے ۔اگر کوئی انجیل کا پیرو ہے تو میرے سامنے آئے۔اور قرآن کریم کا کوئی استعارہ میرے سامنے رکھ دے جس کو میں بھی استعارہ سمجھوں۔ پھر میں اس کا حل قرآن کریم سے ہی نہ کردوں تو وہ بے شک مجھے اس دعوی میں جھوٹا سمجھے۔لیکن اگر پیش کردوں تو اسے ماننا پڑے گا کہ واقعہ میں قرآن کریم کے سوا دنیا کی کوئی کتاب اس خصوصیت کی حامل نہیں ۔“ (فضائل القرآن،انوارالعلوم جلدنمبر14صفحہ408)

1944ء میں آپؓ نے دنیا کو پھر للکارا اورمقابلہ کرنے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتے کے ذریعہ مجھے قرآن کریم کا علم عطاء فرمایا ہے۔اور اس نے میرے اندر ایسا ملکہ پیدا کر دیا ہے جس طرح کسی کو خزانہ کی کنجی مل جاتی ہےاسی طرح مجھے قرآنِ کریم کے علوم کی کنجی مل چکی ہے۔ دنیا کا کوئی عالم نہیں جو میرے سامنے آئے اور میں قرآن کریم کی افضلیت اس پر ظاہر نہ کرسکوں۔یہ لاہور شہر ہے یہاں یونیورسٹی موجود ہے۔اور کئی کالج کھلے ہوئے ہیں۔بڑے بڑے علوم کے ماہر یہاں پائے جاتے ہیں میں ان سب سے کہتا ہوں کہ دنیا کے کسی علم کا ماہر میرے سامنے آجائے۔ دنیا کا کوئی پروفیسر میرے سامنے آجائے۔ دنیا کا کوئی سائنسدان میرے سامنے آجائے وہ اپنے علوم کے ذریعہ قرآن کریم پر حملہ کر کہ دیکھ لے۔ میں اللہ تعالی کے فضل سے اسے ایسا جواب دے سکتا ہوں کہ دنیا تسلیم کرے گی کہ اس کے اعتراض کا رد ہو گیااور میں دعویٰ کرتا ہوں کہ اللہ کے کلام سے ہی اس کا جواب دوں گا۔ اور قرآن کریم کی آیات کے ذریعہ سے ہی اس کے اعتراضات کا رد کر کے دکھا دوں گا۔“ (الفضل 18 فروری1958ء)

پھر ایک اور موقع پر آپؓ نے ببانگِ دُھل یہ اعلان فرمایا۔

”میں ساری دنیا کو چیلنج کرتا ہوں ۔کہ اگر اس دنیا کے پردہ پر کوئی شخص ایسا ہے جو یہ دعوی کرتا ہو کہ خدا تعالی کی طرف سے اسے قرآن سکھایا گیا ہے تو میں ہر وقت اس سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں ۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ آج دنیا کے پردہ پر سوائے میرے اور کوئی شخص نہیں جسے خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم کا علم عطا فرمایا گیا ہو۔ خداتعالیٰ نے مجھے علمِ قرآن بخشا ہے اور اِس زمانہ میں اُس نے قرآن سکھانے کے لئے مجھے استاد مقرر کیا ہے۔“ (الموعود،انوارالعلوم جلد17 صفحہ 647)

آپؓ کا علمِ قرآن غیروں کی نظر میں

آپؓ کے علم القرآن کے صرف اپنے ہی قائل نہیں ہیں بلکہ غیر بھی رطب اللّسان نظر آتے ہیں بلاشبہ یہ تمام تأثرات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ وہ وجود جس کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ اس کا آنے کا ایک یہ مقصد ہے کہ ”تا دین(حق) کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو“

وہ موعود وجود آپؓ ہی ہیں۔

مولوی ظفر علی خان ایڈیٹر اخبار”زمیندار“نے13مارچ 1936ء کو امرتسر کی مسجد ”خیر الدین“ میں خطاب کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ کے مخالفین اور حریفوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”احراریو ! کان کھول کر سن لو۔ تم اور تمہارے لگے بندھے مرزا محمود صاحب کا مقابلہ قیامت تک نہیں کر سکتے۔ مرزا محمود کے پاس قرآن ہے اور قرآن کا علم ہے تمہارے پاس کیا خاک دھرا ہے تم میں سے کوئی قرآن کے سادہ حرف بھی پڑھ سکے۔ تم نے کبھی خواب میں بھی قرآن نہیں پڑھاتم خود کچھ نہیں جانتے۔تم لوگ کیا بتاؤ گے۔ مرزا محمود کی مخالفت تمہارے فرشتے بھی نہیں کر سکتے۔میں حق بات کہنے سے باز نہیں آسکتا“

(ایک خوفناک سازش مصنفہ مظہر علی اظہر صفحہ196)

علامہ نیاز فتح پوری جو کہ مشہوراہلِ قلم ، محقق ، ادیب اور ماہنامہ نگار کے مدیر تھے انہوں نے جب تفسیرِکبیر کا مطالعہ کیا تو حضرت مصلح موعودؓ کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

”تفسیرِ کبیر جلد سوم آج کل میرے سامنے ہے اور میں اسے نگاہِ غائر سے دیکھ رہا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ مطالعہ قرآن کا ایک بالکل نیا زاویۂ فکر آپ نے پیدا کیا ہے۔ اور یہ تفسیر اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل پہلی تفسیر ہے۔ جس میں عقل و نقل کوبڑے حسن سے ہم آہنگ دکھایا گیا ہے۔آپ کے تبحر علمی ،آپ کی وسعتِ نظر،آپ کی غیر معمولی فکر و فراست ، آپ کا حسنِ استدلال،اس کے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے۔ اور مجھے افسوس ہے کہ میں کیوںاس وقت تک بے خبر رہا کاش کہ میں اس کی تمام جلدیں دیکھ سکتا کل سورہ ہود میں حضرت لوطؑ پر آپ کے خیالات معلوم کر کے جی پھڑک گیا اور بے اختیار یہ خط لکھنے پر مجبور ہو گیا۔ آپ نے ھٰؤُلَآءِ بَنَاتِیۡ کی تفسیر کرتے ہوئے عام مفسرین سے جدا بحث کا جو پہلو اختیار کیا ہے اس کی داد دینا میرے امکان میں نہیں خدا آپ کو تا دیر سلامت رکھے۔“ (الفضل17نومبر1963)

اسی طرح سیّد جعفر حسین بی اے۔ایل ایل بی حیدرآباد دکن نے تفسیرِکبیر کے مطالعہ کا بیان یوں فرمایا۔ آپ لکھتے ہیں۔

”میں نے تفسیرِ کبیر کا مطالعہ شروع کیا۔ تو مجھے اس تفسیر میں زندگی سے معمورظر آیا اس میں وہ سب کچھ تھا جس کی مجھ کو تلاش تھی۔ (الفضل 23 جون 1962ء)

مدیر ”صدق جدید“ مولانا عبدالماجد دریا آبادی جو کہ خود بھی مشہور مفسرِ قرآن تھے نے حضرت مصلح موعودؓ کے وصال پر لکھا۔

”قرآن اور علومِ قرآن کی عالمگیر اشاعت اور اسلام کی آفاق گیر تبلیغ میں جو کوشش انہوں نے سرگرمی اور اولوالعزمی سے اپنی طویل عمر میں جاری رکھیں ان کا اللہ انہیں صلہ دے۔ علمی حیثیت سے قرآنی حقائق ومعارف کی جو تشریح متبیّن و ترجمانی وہ کرگئے ہیں اس کا بھی ایک بلند و ممتاز مرتبہ ہے۔“(صدقِ جدید 18 نومبر1965ء)

اللہ تعالی ہم سب کو پیش گوئی مصلح موعودؓ کا ادراک عطافرمائے اور حضرت مصلح موعودؓ کے علمِ قرآن سے فائدہ اٹھانے اور اسے پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

غلام مصباح بلوچ

حضرت مصلح موعودؓ کا بے مثال عشق رسولؐ

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے 20 فروری 1886ء کو جب الٰہی بشارات کے مطابق بذریعہ اشتہار ایک موعود بیٹے کی پیشگوئی کا اعلان فرمایا تو اس کے ایک ماہ بعد ایک اور اشتہار محررہ 22 مارچ 1886ء میں یہ اعلان فرمایا کہ :

”یہ صرف پیشگوئی ہی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان نشان آسمانی ہے جس کو خدائے کریم جلّ شانہٗ نے ہمارے نبی کریم رؤف و رحیم محمد صلی اللہ علیہ و سلم کی صداقت و عظمت ظاہر کرنے کے لئے ظاہر فرمایا ہے اور در حقیقت یہ نشان ایک مردہ کے زندہ کرنے سے صدہا درجہ اعلیٰ و اَولیٰ و اکمل و افضل و اتم ہے ... اس جگہ بفضلہ تعالیٰ و احسانہٖ و ببرکت حضرت خاتم الانبیاء صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم خداوند کریم نے اس عاجز کی دعا کو قبول کرکے ایسی بابرکتؑ روح بھیجنے کا وعدہ فرمایا جس کی ظاہری و باطنی برکتیں تمام زمین پر پھیلیں گی...۔“

یعنی جہاں یہ پیشگوئی (بابت مصلح موعود) خود آنحضور صلی اللہ علیہ و سلم کی صداقت و عظمت کا باعث ہے وہاں اس پیشگوئی کا مصداق وہ موعود بیٹا بھی عشقِ محمدؐ سے سرشار ہوکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی صداقت و عظمت کا علمبردار ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جہاں نو سال کی مقررہ میعاد میں اللہ تعالیٰ نے اس موعود بیٹے کو پیدا کرکے صداقتِ اسلام کے لئے مانگے گئے نشان کو پورا کیا وہاں اس موعود بیٹے کی فطرتی صفات میں علاوہ اور باتوں کے آقائے دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم کی اُلفت و محبت بھی رکھ کر آپؐ کی صداقت و عظمت کو ظاہر کرنے والا منادی بنا دیا۔

پیشگوئی بابت مصلح موعودؓ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی حضرت مسیح موعودؑ سے وعدہ فرمائی تھی کہ ”وہ حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا“۔ حضرت مسیح موعودؑ کے حسن سیرت کی ایک اہم اور شہ سرخی عشق رسولؐ بھی ہے اور الہام ”وہ حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا“ کے مطابق یہی شہ سرخی موعود بیٹے کی سیرت کی فہرست میں بھی شامل ہونی تھی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

”نادان انسان ہم پر الزام لگاتا ہے کہ مسیح موعودؑ کو نبی مان کر گویا ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی ہتک کرتے ہیں، اسے کسی کے دل کا حال کیا معلوم، اسے اس محبت اور پیار اور عشق کا علم کس طرح ہو جو میرے دل کے ہر گوشہ میں محمد صلی اللہ علیہ و سلم کے لئے ہے۔ وہ کیا جانے کہ محمد صلی اللہ علیہ و سلم کی محبت میرے اندر کس طرح سرایت کر گئی ہے۔ وہ میری جان ہے، میرا دل ہے، میری مراد ہے، میرا مطلوب ہے۔ اس کی غلامی میرے لئے عزت کا باعث ہے اور اس کی کفش برداری مجھے تخت شاہی سے بڑھ کر معلوم دیتی ہے۔ اس کے گھر کی جاروب کشی کے مقابلہ میں بادشاہت ہفت اقلیم ہیچ ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کا پیارا ہے پھر میں کیوں اس سے پیار نہ کروں۔ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے پھر میں اس سے کیوں محبت نہ کروں۔ وہ خدا تعالیٰ کا مقرب ہے پھر میں کیوں اس کا قرب نہ تلاش کروں۔ میرا حال مسیح موعود کے اس شعر کے مطابق ہے کہ ؎

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

حضرت مسیح موعودؑ کے واقعاتِ زندگی کے علاوہ نظم و نثر سے بھی عشق رسولؐ عیاں ہے اسی طرح حضرت مصلح موعود کی تحریرات، منظومات، خطبات و ملفوظات بھی محبت رسولؐ سے لبریز ہیں، آپؓ کے بعض نعتیہ اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

اے محمدؐ! اے حبیب کردگار
میں تِرا عاشق، تِرا دلدادہ ہوں
گو ہیں قالب دو مگر ہے جان ایک
کیوں نہ ہو ایسا کہ خادم زادہ ہوں

....

میں آپ سے کہتا ہوں کہ اے حضرتِ لولاکؐ
ہوتے نہ اگر آپؐ تو بنتے نہ یہ افلاک
جو آپؐ کی خاطر ہے بنا آپؐ کی شے ہے
میرا تو نہیں کچھ بھی یہ ہیں آپ کے املاک

....

محمدؐ میرے تن میں مثل جاں ہے
یہ ہے مشہور جاں ہے تو جہاں ہے

....

محمدؐ پر ہماری جاں فدا ہے
کہ وہ کوئے صنم کا رہنما ہے
مرا دل اس نے روشن کر دیا ہے
اندھیرے دل کا میرے وہ دیا ہے
مرا ہر ذرہ ہو قربانِ احمد
مرے دل کا یہی اِک مدعا ہے
اُسی کے عشق میں نکلے مری جاں
کہ یادِ یار میں بھی اِک مزا ہے

....

محمدؐ عربی کی ہو آل میں برکت
ہو اُس کے حسن میں برکت ، جمال میں برکت

....

ہر احمدی اپنے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے محبت اور عشق رکھتا ہے لیکن بعض وجودوں کا عشق رسولؐ جہاں حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْن کی شرط کو احسن طور پر پورا کر رہا ہوتا ہے وہاں دوسرے لوگوں کے لیے بھی بطور مثال بن جاتا ہے اور انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی محبت بڑھانے کے مزید طریق فراہم کرتا ہے۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ بھی انہی خاص عاشقانِ رسولؐ میں سے ایک ہیں۔ آپؓ کی محبت رسولؐ، مطالعۂ حدیث اور اتباع سنت رسولؐ کے انداز اور تفہیم کے زاویے اس قدر منفرد، عمیق اور دلکش ہیں کہ بڑے بڑے عالمِ دین بھی اس کے سامنے طفل مکتب نظر آتے ہیں۔ آپ سیرت النبی صلی اللہ علیہ و سلم کے واقعات کو اس انداز میں مطالعہ کرتے اور سوچتے کہ گویا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی مجلس میں پہنچ گئے ہوں اس طرح آپؓ کی قلبی کیفیت اور جذبات بھی اسی رنگ میں ڈھل جاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں یتیمی کی حالت میں اپنے چچا حضرت ابو طالب کے گھر میں پرورش پانے کے دنوں کا تصور کر کے حضرت مصلح موعودؓ اپنے عشق رسولؐ کی وجہ سے مضطرب ہو جاتے ہیں۔ آپؓ بیان کرتے ہیں:

”میں تو جب بھی اس واقعہ کو پڑھتا ہوں میری طبیعت رقت کے جذبات کے انتہائی مقام پر پہنچ جاتی ہے ... پس کبھی بھی اس واقعہ کو پڑھتے ہوئے میں بغیر اس کے کہ رقت مجھ پر غلبہ نہ پالے، آگے نہیں گزر سکتا۔“

جلسہ سالانہ 1961ء کے افتتاحی خطاب میں آپ نے فرمایا:

”میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی وفات کا اندوہناک سانحہ نہیں دیکھا مگر مجھے وہ دن بھی آج تک نہیں بھولا، آج تک آپؐ کی وفات کے حالات میں نے کبھی نہیں پڑھے کہ میری آنکھیں فرطِ جذبات سے پُرنم نہ ہو گئی ہوں اور مجھے اسی طرح درد و کرب محسوس نہ ہوا ہو جس طرح آپؐ کا زمانہ پانے والے مخلصین کو ہوا تھا۔ میں نے جب کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ پڑھا ہے کہ آپؓ نے جب پہلی مرتبہ چکی سے پسے ہوئے باریک آٹے کی روٹی کھائی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم کو یاد کرکے آپؓ کے آنسو بہہ پڑے تو اس وقت میری آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگ جاتے ہیں ...۔“

ایک اور جگہ آپؓ فرماتے ہیں:

”میں فخر نہیں کرتا لیکن اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی محبت کے لحاظ سے ہمیشہ ہی آپؐ کی وفات کو اسی طرح محسوس کرتا ہوں کہ گویا میری زندگی میں ہی آپؐ زندہ تھے اور میری زندگی میں ہی آپؐ فوت ہوئے۔“

پھر فرماتے ہیں:

”میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال کرتا ہوں تو مجھے آپؐ کے اخلاق نہایت ہی پیارے لگتے ہیں کہ آپؐ کو اتنے بڑے بڑے کام سرانجام دیتے ہوئے کبھی حضرت خدیجہؓ نہ بھولیں ...۔“

درود شریف کا ورد آپؓ کا معمول تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے بعض خاص حالات کے تصور میں ان قلبی کیفیات اور محبت کے جذبات کی وجہ سے آپؓ کے درودشریف پڑھنے کی کیفیت بھی والہانہ ہو جاتی ہے:

عشق رسولؐ کے باعث یہ ضروری تھا کہ آپؓ اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ و سلم پر لگائے جانے والے الزامات و اعتراضات پر بھی غیرت کا اظہار کرتے۔ لہٰذا جب بھی کسی معترض نے آنحضور صلی اللہ علیہ و سلم کی ذات مبارک پر حملہ کرنے کی کوشش کی وہ اس عاشق رسولؐ سے مدلل جواب سن کر اور اپنے جھوٹے اعتراض کی قلعی کھلنے پر منہ کی کھائے بغیر نہ رہا۔ ایڈیٹر الحکم حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی حضور کے ایک سفر ڈلہوزی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”5 جولائی 1918ء کو حضرت خلیفۃ المسیح کے حضور ایک نوجوان تعلیم یافتہ اور آزاد خیال عیسائی صاحب تشریف لائے ... ایک موقعہ پر سلسلہ گفتگو میں صاحب موصوف نے ایک ایسا شبہ پیدا کر دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی نیت پر حملہ تھا۔ اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ آپؓ اس غیرت سے متحرک ہو کر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے لئے آپؓ رکھتے ہیں، باوجود آج طبیعت کے ناساز ہونے کے بڑے جوش کے ساتھ اس کا جواب دینے کے لئے طیار ہوگئے اور ایسا ساکت جواب دیا کہ صاحب موصوف کو اپنے شبہ پر نادم ہونا پڑا۔“

(الحکم 7 جولائی 1918ء صفحہ 4 کالم 1)

اسی طرح ایک اور موقع پر ایک شخص کے ساتھ بات کرنے سے قبل آپؓ نے اُسے پہلے ہی متنبہ فرمایا کہ میں ہر سوال کا جواب دوں گا لیکن اگر سوال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم پر جان بوجھ کر حملہ کیا گیا تو پھر اگر تم ایک اعتراض کرو گے میں بیس کروں گا۔ چنانچہ آپؓ اس گفتگو کا حال بتاتے ہوئے خود فرماتے ہیں:

ایک دفعہ میرے پاس ایک انگریز آیا اور اُس نے کہا میں آپ سے اسلام کے متعلق کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ کوئی الزامی جواب نہ دیں۔ میں نے کہا اگر تم اسلام پر حملہ نہیں کرو گے تو میں بھی الزامی جواب نہیں دوں گا۔ لیکن جب باتیں شروع ہوئیں تو تھوڑی دیر کے بعد ہی اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ میں نے جواب میں اس کے پیشوا پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ اِس سے اُس کا چہرہ سرخ ہوگیا اور کہنے لگا میں ان کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتا۔ میں نے کہا ...۔ اگر تم میں ان کیلئے غیرت ہے تو کیا میں ہی اتنا بے غیرت ہوں کہ مجھے (دین حق) اور محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت پر حملہ دیکھ کر غیرت نہ آئے۔

آپؓ دنیا کے سب سے بڑے عاشق رسولؐ کے فرزند تھے اور ہوش سنبھالتے ہی آپؓ نے اپنے عاشق رسولؐ باپ سے عشق رسولؐ کے اسباق سیکھے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آغاز سے ہی آپؓ نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مطہر ذات لوگوں کے ناپاک حملوں کی زد میں ہے اور اس احساس کے

ساتھ ہی آپؓ نے اپنے دل میں اس عظیم نبیؐ کی عصمت کا درد بھی پیدا کر لیا تھا۔ 1912ء میں ملک مصر کو روانگی کے وقت آپؓ نے اپنے ایک خط میں لکھا:

”یہاں سے جاتی دفعہ اپنے دردِ دل سے آگاہ کرتا جاؤں شاید کسی دل میں وہ آگ جو میرے دل میں ہے کچھ اثر پیدا کرے اور وہ دین کی کسمپرس حالت میں اس کی مدد کرے۔ کیا افسوس اور کیسے غضب کی بات ہے کہ محمد رسول اللہ فداہ ابی و امی جیسے انسان کی دنیا ہتک کر رہی ہے، قرآن شریف جیسی کتاب سے تمسخر کر رہی ہے اور لوگ خوابِ غفلت میں پڑے ہیں۔ ہمارے دل کیوں مر گئے اور ہماری غیرتیں کہاں گئیں۔۔۔“

(بدر 19 ستمبر 1912ء صفحہ 6کالم 2)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہتک کے کرب و الم پر آپؓ خاموش نہ رہے اور نہ ہی اس کا ازالہ آپؓ نے توڑ پھوڑ اور ہڑتالوں کی شکل میں کیا بلکہ ”حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا“ کے مصداق اس بیٹے نے ہتک آمیز مضامین کا جواب علمی مضامین کے ذریعہ دیا اور علمی دلائل کے ذریعہ ان مضمون نویسوں کی جہالت کو ظاہر کیا اور ہمیشہ کے لئے اس علمی خزانے کو محفوظ کر دیا اور یہ سلسلہ بھی جوانی سے ہی ہمیں نظر آتا ہے۔

ایک پادری صاحب W.A.Shedd نے رسالہ The Moslem World میں ایک مضمون بعنوان

“The Influence of a Mohammedan Environment on the Missionary”

لکھا جس میں آنحضرت ﷺ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا:

(ترجمہ): مذہب اسلام کے بانی کے سوانح کی پیچیدگی نتیجہ ہے ان متضاد قویٰ کا جو اس کے اخلاق حصہ ہیں ... (نعوذ باللہ)

(The Moslem World Vol.1 No.3, January 1913 page 5)

حضرت مصلح موعودؓ نے اس خلاف حقیقت مضمون کا جواب رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو ماہ اپریل 1913ء میں بعنوان

”کون سا مذہب متضاد خیالات کا جامع ہے اسلام یا مسیحیت“

میں دیا جس کا ذکر رسالہ دی مسلم ورلڈ نے اپنے اگلے شماروں میں کیا۔

1920ء میں ایک آریہ پروفیسر نے (دین حق) پر اعتراضات کئے تو آپؓ نے ان کے اعتراضات کے تفصیلی جوابات دیئے جو ... ”اسلام پر پروفیسر رام دیو کے اعتراضات کے جوابات“ کے نام سے شائع شدہ ہیں۔ (انوار العلوم جلد 5 صفحہ 341)

ایک شخص مرزا احمد سلطان (لکھنؤ) نے ”ہفوات المومنین“ نامی ایک کتاب لکھی جس میں کتب حدیث کی بعض روایات کو ”دشمنان رسول و معاندان امہات المومنین کے تحائف“ قرار دیا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس کا جواب دیا جو ”حق الیقین“ کے نام پر شائع شدہ ہے۔ آپؓ نے اس میں تحریر فرمایا: ”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس تصنیف کے اصل مخاطب اہل حدیث صاحبان ہیں اور اگر وہی مسلک ہم اختیار کرتے جو وہ لوگ ہمارے متعلق اختیار کیا کرتے ہیں تو شاید ہمارا طریق بھی یہ ہوتا کہ ہم اس جنگ کا لطف دیکھتے اور ایک دوسرے کی فضیحت اور تحقیر کو خاموشی سے ملاحظہ کرتے لیکن چونکہ ہمارا رویہ تقویٰ پر مبنی ہے اور اسلام کی محافظت اور اس کے خزائن کی نگرانی کا کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے اس لئے میری غیرت نے برداشت نہ کیا کہ یہ کتاب بلاجواب کے رہے اور اسلام کے چھپے دشمن اسلام کے ظاہری دشمنوں کے ساتھ مل کر اس کے اندر رخنہ اندازی کرنے کا کام بلا روک ٹوک کرتے چلے جائیں۔“

(حق الیقین، انوار العلوم جلد 9صفحہ 282)

حضرت مصلح موعودؓ کی یہ کتاب ”حق الیقین“ مرزا احمد سلطان جیسے بد اندیشوں کا جواب تو ہے ہی لیکن قارئین حدیث کے لئے بعض احادیث کی نہایت ہی لطیف اور منفرد شرح بھی ہے۔

ایک طرف تو غیرت رسولؐ میں آپؓ اس طرح مورچہ بند تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لکھے جانے والے مضامین و کتب کو علم و عقل کے اسلحہ سے تباہ کیے جاتے تھے دوسری طرف ناموس رسالت صلی اللہ علیہ و سلم کی محافظت میں آپؓ نے قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھنے کا ارادہ فرمایا اور اس تفسیر میں آپؓ نے اس غلطی کی بھی نشاندہی فرمائی جس سے کہ دشمن اسلام کو آنحضرت ﷺ اور قرآن کریم پر حملہ کرنے کو موقع ملتا ہے چنانچہ گزشتہ تفاسیر کی موجودگی میں اپنی تفسیر قرآن کی غرض بیان کرتے ہوئے آپؓ فرماتے ہیں:

”پہلے مفسرین نے اپنے زمانہ کی ضرورتوں کے مطابق بہت بڑی خدمت قرآن کریم کی کی ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہ دو غلطیاں نہ کرتے تو ان کی تفاسیر دائمی خوبیاں رکھتیں۔ (1)منافقوں کی باتوں کو جو انہوں نے مسلمانوں میں مل کر شائع کیں، ان تفاسیر میں جگہ دے دی گئی ہے اور اس وجہ سے بعض مضامین دین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی ذات کیلئے ہتک کا موجب ہوگئے ہیں۔“

اس غلطی کے علاوہ اپنی ان تحریری کاوشوں کی دوسری بڑی وجہ بیان کرتے ہوئے آپؓ فرماتے ہیں:

”ہماری کتب میں یوروپین لوگوں کے زہریلے اثرات کا دفاع زیادہ مد نظر ہوتا ہے۔“

چنانچہ اس دفاع کے لئے آپ نے اُس وقت کے بڑے بڑے مستشرقین مثلاً جارج سیل (Geoge Sale)، سپرنگر (Aloys Sprenger)، راڈویل (John Medows Rodwell)، ولیم میور (William Muir)، نولڈیکے (Theodor Noldeke)، پادری وھیری (Elwood Morris Wherry) وغیرہ کی تنقید کا گہرا مطالعہ کیا اور ان کے مدلّل جوابات دیئے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے آنحضرت ﷺ کے لئے استغفار کا حکم اور اس کی حقیقت، آپ ﷺ کے تعلق میں لفظ ذنب کا قرآنی استعمال اور اس کی حقیقت، آپ ﷺ کے استعاذہ کی حقیقت، آپ ﷺ کے نسیان کی حکمت اور آپ ﷺ کی شادیوں کی غرض وغیرہ جیسے مضامین پر سیر حاصل بحث کی ہے، یہی وہ موضوعات تھے جس میں دشمن کا کج رو دماغ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا مقام و مرتبہ نیچا دکھانے کی کوشش کرتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

ہم جو کچھ کہتے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت اور آپ ﷺ کے جلال کے اظہار کے لئے کہتے ہیں، کوئی ایسی بات اپنی زبان سے نہیں نکالتے جو آپ ﷺ کی شان کو کم کرنے والی اور آپ ﷺ کی عزت کو بٹہ لگانے والی ہو۔

عاشق رسول ﷺ باپ کے عاشق رسول ﷺ بیٹے کا یہ کردار کتنا عظیم الشان اور حیرت انگیز ہے۔ آنحضرتؐ کے عالی مقام کو دنیا پر ظاہر کرنے کے لیے جو جہاد حضرت اقدس مسیح موعود نے کیا اُس کے متعلق حضرت اقدس کی زندگی میں ہی ایک عیسائی پروفیسر Sirajud Din, B.A. نے اپنے ایک مضمون بعنوان Mirza Ghulam Ahmad میں لکھا کہ وہ ہر دوسرے شخص کو محمدؐ سے کم تر ثابت کریں گے۔

خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اس اولوالعزم بیٹے کی خلافت کے زمانے میں بھی حضرت مسیح موعودؑ کے اسی جہاد کو رواں دواں دیکھ کر ایک اور مصنف E. J. Bolus M.A., B.D. وہی بات پھر دہراتے ہیں کہ

“The Ahmadiyya is determined at all costs to clear the character of the Prophet.”

(The Influence of Islam by E. J. Bolus page 110, Lincoln Williams, Temple Bar Publishing Company Ltd. St. Martin's Court W.C.2 1932)

یعنی احمدیت ہر حال میں پُر عزم ہے کہ وہ نبیؐ کا کردار صاف ثابت کر کے دکھائیں گے۔

تفسیر کبیر میں آپؓ نے عصمت انبیاء کے مضمون پر بھی خوب قلم چلایا ہے اور انبیاء کرام پر لگے داغوں کو صاف کر کے اُن کا حقیقی مقام دکھلایا ہے۔ جہاں آپؓ نے عصمت انبیاء ثابت کی ہے وہاں خاتم النبیین ﷺ کا عالی مرتبہ ثابت کرکے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ لاریب انبیاءؑ اُن الزامات سے پاک تھے جو اسرائیلیات نے لگائے تھے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اُن معصوم انبیاءؑ کے مقام کے سامنے آنحضرت ﷺ کا مقام و مرتبہ سب سے بڑھ کر ہے اور عشق رسول ﷺ میں سرشار ہوکر یہ موازنہ آپؓ میرا محمد ﷺ اور میرا آقا کہہ کر بیان کرتے ہیں، چنانچہ سورۃ الانبیاء میں مذکور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بت توڑنے والا واقعہ بیان کرتے ہوئے آپؓ فرماتے ہیں:

”اوپر کی آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رسول کریمؐ سے ایک زبردست مقابلہ کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بھی بچپن میں فوت ہو گئے تھے اور محمد رسول اللہؐ کے والد بھی آپؐ کی پیدائش سے پہلے فوت ہوگئے تھے اور دونوں کو اُن کے چچاؤں نے پالا تھا جو دونوں مشرک تھے۔ دونوں نے اپنے چچاؤں کو توحید کی تبلیغ کی مگر دونوں نے توحید کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ... پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی بُت توڑے اور محمدؐ رسول اللہ نے بھی بُت توڑے۔ جب اُن کی قوم کے لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے تھے اور محمدؐ رسول اللہ نے اس وقت بُت توڑے جبکہ دوپہر کا وقت تھا اور کعبہ کے پاس تمام لوگ جمع تھے ...“

اسی طرح ایک جگہ پر آنحضورؐ کے حالات کا موازنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات سے کرتے ہوئے آپؓ بیان کرتے ہیں:

غزوہ حنین کے موقعہ پر ....یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے کہ

اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِبْ — اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِب

اے لوگو! میں موعود نبی ہوں، میں جھوٹا نہیں، تم مجھے مار نہیں سکتے مگر میرے اس نشان کو دیکھ کر مجھے خدا نہ بنا لینا، میں عبدالطلب کا بیٹا اور انسان ہوں۔

کتنا عظیم الشان فرق ہے مسیحؑ میں اور میرے آقا میں۔ ... میرا محمدؐ ایسے دشمن کے نرغہ میں گھر گیا ہے جو دو طرف پہاڑیوں پر چڑھا ہوا تھا اور دونوں طرف سے اس پر تیر اندازی کر رہا تھا... مگر پھر بھی وہ اپنے خدا سے مایوس نہیں ہوا اور پھر بھی اُس نے یہی کہا کہ میں انسان ہوں خدا نہیں۔

آپؓ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے الہام میں بتا دیا تھا کہ وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور جب آپؓ نے دنیا کے سامنے اُن علوم کا اظہار فرمایا تو اپنے علوم کے متعلق اس حقیقت کا بھی اعلان فرمایا کہ

”قرآنی علوم کا دوسرا ماخذ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات ہے۔“

حضرت مصلح موعودؓ کے قلم سے نکلے سیرت النبی ﷺ کے واقعات پڑھنے کے لائق ہیں، آپؓ کے بیان کردہ واقعات اُسوۂ رسول ﷺ کے نت نئے پہلو دکھاتے ہیں اور ایک پڑھنے والا اُن سے اپنے سیرت رسول ﷺ کی فہرست کے علم میں مزید اضافہ دیکھتا ہے۔ آپ کی تحریرات و خطبات سے اخذ کردہ سیرت رسول ﷺ کی سرخیوں کی ایک فہرست درج ہے:

آنحضرتؐ کی توحید سے محبت اور اس کے لیے غیرت، شرک کے خلاف جذبہ نفرت، قرآن کریم سے محبت اور اس کے احکام کی اطاعت، ذوق عبادت اور اس میں انہماک، ذکر الٰہی، عبد شکور بننے کی تڑپ، زہد و تقویٰ، کمال انکسار، کمال جرأت، تبلیغ اسلام میں استقلال، مصائب پر کمال صبر، بے مثال قوتِ برداشت، غیر معمولی ضبطِ نفس، غیر معمولی تنظیمی قابلیت، جذبہ حب الوطنی، خیر و خواہی و ہمدردی مخلوق، لوگوں کے حقوق کا خیال، یتامیٰ کی خبرگیری، جذبہ احسان مندی، مہمان نوازی، بیویوں سے حسن سلوک، قریبی رشتہ داروں کا خیال، صلہ رحمی، دوسروں کے جذبات کا پاس، غرباء اور مساکین کے لیے تڑپ، جانوروں اور پرندوں سے نرم برتاؤ، قوم کی حالت پر درد و کرب اور ہدایت پانے کے لئے شدید غم، سکراتِ موت میں بھی مخلوق کی محبت کا جلوہ، خطرناک حالات میں بھی بے مثال اطمینان قلب، توکل علی اللہ، رسوم سے بیزاری، آپ ﷺ کی سادگی، اپنے جذبات کی قربانی، اپنے رشتہ داروں کی قربانی، اپنے دوستوں کے جذبات کی قربانی، مالی قربانی، عزت کی قربانی، وطن کی قربانی، آرام کی قربانی، حقوق کی قربانی، آئندہ نسل کی قربانی وغیرہ۔

آنحضرتؐ کی پاکیزہ سیرت اور آپ ﷺ کے پاک کلمات کا

ایک بہت بڑا ذخیرہ احادیث ہیں، حضور اکرمؐ صحابہ کرامؓ کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کی باتیں دوسروں تک پہنچائیں اور صحابہؓ خود بھی ذکر و اذکار کے ذریعہ آپ ﷺ کی باتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ حضرت مصلح موعود نے بھی ہمیشہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو اپنے فیصلوں اور منصوبوں میں مدنظر رکھا، خلافت جوبلی کے موقع پر مندرجہ ذیل وصیۃالرسول ﷺ کی کثیر اشاعت کی تحریک فرمائی:

وصیۃ الرسول ﷺ

برادرم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں جب کہ آپ ﷺ کی وفات قریب آگئی بطور وصیت سب مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا اِنَّ دِمَاءَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ (اور ابی بکرۃ کی حدیث میں ہے وَاَعْرَاضَکُمْ) حَرَامٌ عَلَیْکُمْ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا۔ وہی تمہاری جانوں اور تمہارے مالوں (اور ابی بکرۃ کی روایت کے مطابق تمہاری عزتوں) کو خدا تعالیٰ نے حفاظت بخشی ہے یعنی جس طرح مکہ میں حج کے مہینہ اور حج کے وقت کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح پُر امن بنایا ہے اِسی طرح مومن کی جان اور مال اور عزت کی سب کو حفاظت کرنی چاہیے۔ جو اپنے بھائی کی جان، مال اور عزت کو نقصان پہنچاتا ہے گویا وہ ایسا ہی ہے جیسے حج کے ایام اور مقامات کی بے حرمتی کرے۔

پھر آپ ﷺ نے دو دفعہ فرمایا کہ جو یہ حدیث سنے، آگے دوسروں تک پہنچادے۔ میں اِس حکم کے ماتحت یہ حدیث آپ تک پہنچاتا ہوں۔ آپ کو چاہیے کہ اِس حکم کے ماتحت آپ آگے دوسرے بھائیوں تک مناسب موقع پر یہ حدیث پہنچا دیں اور انہیں سمجھا دیں کہ ہر شخص جو یہ حدیث سنے اسے حکم ہے کہ وہ آگے دوسرے مسلمان بھائی تک اس کو پہنچاتا چلا جائے۔ والسلام ۔ خاکسار

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح

(الفضل 3جنوری 1940ء صفحہ 7)

اسی طرح اگست 1917ء میں جماعت احمدیہ کا ایک وفد عیسائیوں سے مباحثہ کی غرض سے بمبئی گیا، اس وفد کے امیر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس موقع پر چند ہدایات تحریر فرما کر امیر وفد کو دیں جن میں ایک ہدایت یہ تھی:۔" غریب، امیر، متوسط الحال جو کوئی آئے اُس کی طرف یکساں توجہ ہو، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کون شخص ہدایات کا مستحق ہے۔ ہاں اس بات کا خیال رہے کہ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ نُنَزِّلَ النَّاسَ علی منازِلِھِمْ۔"

(الحکم 14 اپریل 1918ء صفحہ 8 کالم 2)

ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں کہ آپؓ نے معاملات میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا کہ اس بارے میں آنحضرتؐ کی کیا تعلیم ہے اور اُس پر عمل کرنے کو یقینی بنایا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و اکرام قائم کرنے میں آپؓ کی ایک بڑی اور سنہری حروف سے لکھی جانے والی خدمت یہ بھی ہے کہ آپؓ نے جلسہ سیرت النبیؐ کا آغاز فرمایا، یہ 1928ء کے سال کی بات ہے۔ گنجائش نہیں کہ اس عظیم خدمت کی تفصیل یہاں بیان کی جائے ورنہ اس وسیع سکیم کے ہر پروگرام سے آپؓ کی محبت اور غیرت رسول ﷺ عیاں ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"لوگوں کو آپ ﷺ پر حملہ کرنے کی جرأت اسی لئے ہوتی ہے کہ وہ آپ ﷺ کے صحیح حالات سے ناواقف ہیں یا اسی لئے کہ وہ سمجھتے ہیں دوسرے لوگ ناواقف ہیں اور اس کا علاج ایک ہی ہے جو یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح پر اس کثرت سے اور اس قدر زور کے ساتھ لیکچر دیے جائیں کہ ہندوستان کا بچہ بچہ آپ کے حالات زندگی اور آپ ﷺ کی پاکیزگی سے آگاہ ہو جائے اور کسی کو آپؐ کے متعلق زبان درازی کرنے کی جرأت نہ رہے ۔

اسی ضمن میں آپ نے آنحضرتؐ کے مقام محمود کی تشریح میں جماعت کو اپنی ذمہ داری سمجھاتے ہوئے فرمایا:

"حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اس دعا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو مقامِ محمود مانگتے ہیں وہ مقام جنت کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس دنیا کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور ایسے رنگ میں تعلق رکھتا ہے کہ ہمارے اعمال کا بھی اس میں دخل ہے ورنہ اگر دخل نہ ہوتا تو ہمارے دعا مانگنے کی کیا ضرورت تھی۔ پس یہ جو خطرہ ہے کہ شاید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود نہ مل سکے وہ یہ ہے کہ ایک مقام محمود وہ بھی ہے جو امت محمدیہ کے اعمال کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنا ہے اور چونکہ یہ خطرہ اسی کے متعلق ہے کہ شاید ہماری کمزوریوں کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محروم رہ جائیں اس لئے اس مقام محمود کے لئے دعا مانگتے ہیں نہ اس کے لئے جو جنت سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ وہ تو آپ ﷺ کو پہلے ہی مل چکا ہے ... ہم مانتے ہیں کہ قیامت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک مقام محمود مقرر ہے لیکن اس کے لئے ہماری دعاؤں کی ضرورت نہیں، وہ تو آپ کو مل چکا۔ ہاں جس کے لئے ہم دعا کرتے ہیں وہ ہمارے اعمال کے بدلے میں آپ کو ملنا ہے ..."

الحمد للہ محبت رسول ﷺ سے لبریز آپؓ کی اس تحریک کے عظیم الشان نتائج ظاہر ہوئے اور آنحضرتؐ کے نام لیوا ایک دفعہ ایک پلیٹ فارم پر مجتمع ہوگئے اور بڑے پیمانے پر اس تحریک کو سراہا گیا لیکن افسوس کہ غیر مبایعین کو آپؓ کے ہاتھوں ناموس رسالت ﷺ کی یہ خدمت برداشت نہ ہوئی اور اس میں اپنی شرکت کو بلا جواز شرائط کے ساتھ مشروط کر دیا۔ حضرت مصلح موعودؓ کی اولواالعزمی اس الٰہی سکیم میں کسی بھی روک سے نہیں رکی، آپؓ نے اعلان فرمایا:

"صرف اس بات سے چڑ کر کہ کیوں ہم نے رسول کریمؐ کی عزت کی حفاظت کے لئے اور آپ ﷺ کے خلاف گالیوں کا سدباب کرنے کے لیے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر ایک ہی دن سینکڑوں جلسوں کا انعقاد کیا ہے۔ میں اس جرم کا مجرم بے شک ہوں اور اس جرم کے بدلہ میں ہر ایک سزا خوشی سے برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

بحیثیت خلیفۃ المسیح انتہائی مصروفیات کے باوجود آپ ان سیرت النبی ﷺ کے جلسوں میں شامل بھی ہوتے یا اُن کے لیے مضامین بھی لکھتے، اسی طرح الفضل وغیرہ اخبارات کے خصوصی نمبروں بابت آنحضرتؐ کے لیے بھی مضامین تحریر فرماتے۔ 18نومبر 1951ء کو بمقام بیت مبارک ربوہ میں جلسہ سیرت النبی ﷺ ہوا، حضرت مصلح موعودؓ ناسازی طبع کے باوجود جلسہ میں شریک ہوئے اور فرمایا:

"... میری یہاں آنے کی غرض حصول برکت تھی جو اس قسم کے جلسوں میں شمولیت کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے ... میں پھر نصیحت کرتا ہوں کہ یہ جلسہ نہایت اہم ہے، یہ جلسہ اُس عظیم الشان انسان کے حالات اور سوانح بیان کرنے کے لئے ہے جو نہ صرف خود ایک عظیم الشان انسان تھا بلکہ اُس نے ہمیں بھی عظیم الشان بنا دیا ہے۔ اِس جلسہ میں چھوٹے بچوں کو گھسیٹ کر لانا چاہیے تا کہ معلوم ہو کہ تمہیں رسول کریمؐ سے والہانہ محبت ہے، محض خیالی محبت نہیں۔"

جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انعقاد کی اس تحریک کو قریباً نوے سال ہونے کو ہیں لیکن آج بھی یہ تحریک اس طرح جاری ہے اور پوری دنیا میں پھیل چکی ہے۔ دنیا میں بعض عاشقوں نے اپنے محبوبوں کی یاد میں محل، قلعہ یا کسی اور رنگ میں یادگار بنوائی ہیں جو دنیا کو اُن کی محبت کی یاد دلاتی ہیں لیکن ان دنیاوی یادگاروں کی نسبت حضرت مصلح موعودؓ کے جلسہ سیرت النبیؐ کے منظم طور پر انعقاد کی یادگار کتنی حسین اور منفرد ہے جو رہتی دنیا تک آپؓ کے عشق رسول ﷺ کو خراج تحسین پیش کرتی رہے گی۔

1925ء میں جب نجدیوں اور شریفیوں (عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود اور حسین بن علی شریف آف مکہ) کے درمیان لڑائی ہوئی ، اُس میں نجدیوں کی طرف سے مقامات مقدسہ (مسجد نبوی ﷺ، روضہ رسولؐ وغیرہ) کو بہت نقصان پہنچا، اور مسلمانان ہند میں فرقہ بندیوں کی بنیاد پر اس کے حق میں اور اس کے خلاف بحثیں ہونے لگیں یہاں تک کہ نجدیوں کے حامیوں نے مقامات مقدسہ کے نقصان کو بھی جائز سمجھ کر یہ کہنا شروع کیا کہ مقامات مقدسہ (قبر، قبے وغیرہ) کو مسمار کرنا شرک مٹانا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 4 ستمبر 1925ء میں محبت رسول ﷺ کی وجہ سے ان مقامات مقدسہ کو منہدم کرنے کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

"اس خطبہ کے ذریعے یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہم نجدیوں کے اس فعل کو نہایت نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جو لوگ ان کی تائید کر رہے ہیں ان کے سینے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے خالی سمجھتے ہیں۔

ہماری ان باتوں کو دیکھ کر نجدیوں کے حامی کہیں گے یہ بھی شریف علی کے آدمی ہیں لیکن اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر کے متعلق آواز اٹھاتے ہوئے شریف کا آدمی چھوڑ کر شیطان کا آدمی بھی کہہ دیں تو کوئی حرج نہیں ... بیشک ہم قبوں کی یہ حالت دیکھ کر خاموش رہتے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عزت کی خاطر ہم آواز بلند کرنے کے لئے مجبور ہوگئے ہیں ...

ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں جس سے ہم نجدیوں کے ہاتھ روک سکیں ہاں ہمارے پاس سہام اللیل ہیں۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس اور مسجد نبوی اور دوسرے مقامات کو اس ہتھیار سے بچائیں، ہماری جماعت کے لوگ راتوں کو اٹھیں اور اس بادشاہوں کے بادشاہ کے آگے سر کو خاک پر رکھیں، جو ہر قسم کی طاقتیں رکھتا ہے اور عرض کریں کہ وہ ان مقامات کو اپنے فضل کے ساتھ بچائے۔"

ایک طرف شرک مٹانے کے بہانے مقامات مقدسہ کو مٹایا جا رہا تھا اور دوسری طرف کئی لوگ مشرکانہ عادات میں مبتلا پڑے ہوئے تھے، کوئی قبروں پر سجدہ ریز ہے، کوئی پیروں سے مانگ رہا ہے اور کئی اپنی مرادیں پوری کرنے کے لیے قبروں پر شمعیں جلا رہا ہے یا پھول اور چادریں چڑھا رہا ہے وغیرہ۔ حضرت مصلح موعود مسلمانوں کے اس خلاف سنت فعل پر بھی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی محبت و عقیدت کے اس کھلے اظہار پر فرماتے ہیں:

... ہمیں تو یہ بھی سن کر تعجب آتا ہے کہ ابن سعود کے نمائندے بھی قبروں پر پھول چڑھانے لگ گئے ہیں۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ اگر کوئی پھول چڑھانے کی مستحق قبر تھی تو وہ رسول کریم ﷺ کی قبر تھی، کیا حضرت ابو بکرؓ کو پھول نہ ملے کہ وہ آپ ﷺ کی قبر مبارک پر پھول چڑھاتے؟ کیا حضرت عمرؓ کو پھول نہ ملے کہ وہ آپؐ کے مزار پر پھول چڑھاتے؟ اگر آپ ﷺ کے مزار پر ان بزرگوں نے پھول چڑھائے ہوتے تو ہم اپنے خون سے پھولوں کے پودوں کو سینچتے تا آپ ﷺ کے مزار پر پھول چڑھائیں مگر افسوس زمانے بدل گئے اور ان کی قدریں بدل گئیں لیکن ہم موحد ہیں، مشرک نہیں ... دنیا میں جو لوگ اچھے کام کر جاتے ہیں اُن کی قبروں پر جانا اور اُن کے لیے دعائیں کرنا ہی اُن کے لیے پھول ہیں، گلاب کے پھول ان کے کام نہیں آتے عقیدت کے پھول ان کے کام آتے ہیں۔

قصہ مختصر کہ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی سیرت میں عشق رسول ﷺ کا عنوان ایک نمایاں رنگ رکھتا ہے اور آپؓ کی محبت آل رسول ﷺ، محبت اصحاب رسول ﷺ اور محبت امت رسول ﷺ اس عشق رسول ﷺ میں نئے رنگ بھرتی ہے۔

آپؓ فرماتے ہیں:

"یاد رہے کہ میں کسی خوبی کا اپنے لئے دعویدار نہیں ہوں، میں فقط خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک نشان ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھے ہتھیار بنایا ہے۔ اس سے زیادہ نہ مجھے کوئی دعویٰ ہے نہ مجھے کسی دعویٰ میں خوشی ہے، میری ساری خوشی اسی میں ہے کہ میری خاک محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کھیتی میں کھاد کے طور پر کام آ جائے اور اللہ تعالیٰ مجھ پر راضی ہوجائے اور میرا خاتمہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے قیام کی کوشش پر ہو۔

مرزا خلیل احمد قمر

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی نظر میں مصلح موعودؓ کا مقام

حضرت مسیح موعودؑ نے خداتعالیٰ سے خبر پا کر 20فروری 1886ء کو پیشگوئی مصلح موعود کا اعلان فرمایا اور اس موعود فرزند کی پیدائش کو اسلام اور اپنی صداقت کا ایک نشان ٹھہرایا تھا۔ آپؑ ابھی تک نئی جماعت بنانے اور بیعت لینے سے رُکے ہوئے تھے تا وقتیکہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو نئی جماعت بنانے اور بیعت لینے کی اجازت عطا فرمائی۔ 12جنوری1889ء کو اس فرزند موعود کی پیدائش ہوئی۔اور آپؑ نے اسی روز شرائط بیعت کا اعلان فرمایا اور پھر 23مارچ 1889ء کو لدھیانہ میں جماعت احمدیہ کا قیام ہوا۔گویا مصلح موعودؓ کی پیدائش اور جماعت احمدیہ کا قیام توام ہیں۔ ایسا کیوں ہوا بعد کے واقعات نے اس کی تصدیق کر دی۔

اس کے علاوہ حضرت مسیح موعودؑ اپنی متعدد زیر تصنیف کتب میں اس فرزند موعود کے بارے میں ذکر فرماتے رہے کہ وہ اب اتنے سال میں ہے حضرت مسیح موعودؑ کو یقین کامل تھا کہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ ہی وہ فرزند موعود اور مصلح موعود ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے ان کو 20فروری1886ء کے اشتہار میں بشارت دی تھی۔پھر حضرت مسیح موعودؑ کے قریب جتنے صحابہؓ تھے وہ بھی اسی حقیقت پر علیٰ وجہ البصیرت قائم تھے اور حضرت مولانا حکیم نورالدین خلیفۃ المسیح الاولؓ کو اپنی خداداد فہم و بصیرت اور حضرت مسیح موعودؑ کے قرب اور حضرت صاحبؑ کے صاحبزادہ صاحبؓ سے سلوک کے مشاہدہ سے یقین کامل تھا کہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ ہی مصلح موعود ہے۔ذیل میں اس سلسلہ میں چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

سلسلہ احمدیہ کے ایک صاحب رویاء کشوف بزرگ مربی سلسلہ اور صحابیؓ حضرت مسیح موعودؑحضرت مولانا ابراہیم بقاپوریؓ کے سامنے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ کا پاکیزہ بچپن گزرا تھا۔اس لئے حضرت مولانا نے صاحبزادہ صاحبؓ کے بچپن کے بارے میں اپنے چشم دید واقعات تحریر فرمائے ہیں۔

رسالہ تشحیذ الاذہان کے اجراء پر 1905ء پر میں جو مقالہ لکھا تھا،خدا تعالیٰ نے اس کی قبولیت دشمنوں سے بھی کرائی۔چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ میں یوں ریویو کیا کہ

”میں سمجھتا تھا کہ یہ سلسلہ احمدیہ صرف مرزا صاحب (حضرت مسیح موعود)کی زندگی تک ہی ہے لیکن ان کے فرزند ارجمند کے اس مضمون کو پڑھ کر میں یقین کرتا ہوں کہ اب یہ سلسلہ چلا لیں گے“

اس کا ذکر حضرت مولوی نورالدینؓ نے صاحبزادہ صاحب کی موجودگی میں حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں عرض کیا۔میں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے محبت بھری نگاہ سے حضرت صاحبزادہ صاحب کی جانب دیکھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ حضورؑ دعا فرما رہے ہیں۔

(ماہنامہ خالد ستمبر،اکتوبر1956ء ص93)

حضرت مولانا محمد ابراہیم بقاپوریؓ لکھتے ہیں:۔

حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں جب ایک جلسہ سالانہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سورہ لقمان کے دوسرے رکوع کی تفسیر کر کے سنائی۔تو اس میں ایسے ایسے حقائق و معارف سنائے کہ ہم نے کبھی ایسے معارف نہیں سُنے تھے۔اس پر چند دوست جوں جوں سنتے تھے خوشی سے سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگ پڑے۔حضرت حکیم الامتؓ کے صاحبزادہ محمود احمد شاگرد جو ہوئے۔میں نے کہا ہم تو ہمیشہ حکیم الامت کے درس سنتے ہیں مگر ایسے حقائق معارف ان سے کبھی نہیں سنے۔

خدا تعالیٰ کی قدرت جب حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کی یہ تقریر ختم ہوئی تو جھٹ مولوی نور الدین صاحبؓ صاحبزادہ صاحب کے پاس آگئے اور آپؓ کے کان پر انگلی رکھ کر فرمانے لگے۔میاں ہمارے ملک میں کہاوت ہے کہ ”اوٹھ چالی بوتا بتالی“یعنی اونٹ کی قیمت اگر چالیس روپیہ ہو تو اس کے بچہ کی قیمت بتالیس روپے ہوتی ہے۔یعنی آپؓ کے حقائق معارف حضرت مسیح موعودؑ جیسی شان کے ہیں۔پھر مجھے حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کیوں مولوی صاحب میرا بھی آپ درس سنتے ہی ہیں۔مگر اس طرح حقائق و معارف تو انہی کا حق ہے۔

میں نے عرض کیا ۔جی ہاں یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہے۔یہ کہہ کر میں نے خواجہ صاحب کی طرف نظر کی تو انہوں نے اپنی نظر نیچے کر لی۔

(ماہنامہ خالد ستمبر اکتوبر1956ء ص93)

حضرت نواب محمد علی خاں کے صاحبزادے نواب عبدالرحیم خان بار ایٹ لاء آف مالیر حضرت مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح الاولؓ کے شاگرد تھے اپنی تعلیم کے دوران کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔کہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کو حضرت صاحبزادہ صاحبؓ سے کس قدر انس اور محبت تھی۔

مولوی عبدالحی کا درس معاً بعد مغرب ہوا کرتا تھا۔محموداللہ شاہ مرحوم جو میرے ہی ہم عمر تھے نماز پڑھایا کرتے تھے۔ایک دن نماز مغرب شروع ہوگئی تھی نماز کے دوران میں وہاں پہنچا آپ کے سب نیچے چٹائیوں پر نماز پڑھ رہے تھے لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایک چارپائی پر بیٹھے شریک جماعت تھے۔محموداللہ صاحب سے دریافت کیا۔انہوں نے بتلایا میاں صاحب کو شدید سردرد ہے۔میاں صاحب سے آپ کو بہت محبت تھی اور بار بار لوگوں سے دریافت فرماتے کہ اب طبیعت کیسی ہے۔

(الفضل21جنوری1971ء)

حضرت مفتی محمد صادقؓ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی حضرت مصلح موعودؓ سے پیار و محبت اور شفقت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”حضرت خلیفہ اول مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ جس طرح کی محبت اس وجود کے ساتھ کرتے تھے اور اس کے بچپن میں بھی جس قدر ادب اور احترام آپ کا کرتے تھے۔اس سے معلوم ہونا تھاکہ حضرت مولوی صاحب کو اپنی فراستِ مومنانہ اور کشف ولیانہ سے محسوس و مشہود ہورہا تھا کہ یہ بچہ منشائے الٰہی کے ماتحت کسی منصب عالی کے واسطے تیار کیا جارہا ہے۔“

”ایک دفعہ ہم سب ہم سفر تھے ۔(حضرت مسیح موعودؑ ساتھ نہ تھے)ایک ریل کے اسٹیشن پر ہم گاڑی کے اندر بیٹھے ہوئے کچھ کھا رہے تھے۔حضرت مولانا نور الدین صاحب عاجز پیر سراج الحق صاحب ڈاکٹر اسمٰعیل صاحب اور چند اصحاب تھے۔حضرت صاحبزادہ محمود احمد صاحب کہیں پلیٹ فارم پر پھر رہے تھے۔جب آپ گاڑی کے اندر آئے تو بظاہر ان کے بیٹھنے کے واسطے جگہ نہ معلوم ہوتی تھی۔

حضرت مولانا فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر نیچے بیٹھ گئے اور حضرت صاحبزادہ صاحب کو اپنی جگہ پر بٹھایا۔مولوی صاحب کو نیچے بیٹھا دیکھ کر ہم سب کھڑے ہوگئے اور جگہ نکال کر باصرار حضرت مولوی صاحب کو اوپر بٹھایا۔حضرت صاحبزادہ صاحب کے واسطے تو جگہ بہر حال بن ہی جاتی۔ضرورت ہوتی تو ہم سب میں سے ایک بخوشی اپنی جگہ چھوڑ دیتا۔لیکن پیشتر اس کے کہ اور کوئی اٹھتا جس پھُرتی اور جلدی سے حضرت مولوی صاحب نے نہ صرف اپنی جگہ چھوڑی بلکہ نیچے بیٹھ گئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ وہی ادب اور خاکساری اور بے نفسی کی روح تھی جس نے حضرت مولانا کو حضرت مسیح موعودؑ کا جانشین بنایا۔

(الفضل 20جنوری1928ء)

جناب شوق محمد عرائض نویس لاہور بیان کرتے ہیں۔

”1903ء میں میں قادیان میں بغرض تعلیم مقیم تھا۔میں نے اپنے زمانہ قیام دارالامان میں متعدد بار دیکھا (صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ)کو آشوب چشم کا عارضہ عموماً رہتا تھااس لئے کئی بار میں حضرت حکیم الامت مولانا نورا لدین صاحب خلیفۃ المسیح اولؓ کو خود اپنے ہاتھ سے آپ کی آنکھوں میں دوائی ڈالتے دیکھا۔وہ دوائی ڈالتے وقت عموماً نہایت محبت اور شفقت سے آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا کرتے اور رخسار مبارک پر دست مبارک پھیرتے ہوئے فرمایا کرتے:

میاں تو بڑا ہی میاں آوی ہے اے مولا اے میرے قادر مطلق مولا!اس کو زمانہ کا امام بنا دے۔

بعض اوقات فرماتے: ”اُس کو سارے جہان کا امام بنا دے“

مجھ کو حضورؓ کا یہ فقرہ اس لئے چبھتا کہ آپؓ کسی اور کے لئے ایسی دعا نہیں کرتے صرف ان کے لئے دعا کرتے ہیں۔

چونکہ طبیعت میں شوخی تھی۔اس لئے میں نے ایک روز کہہ ہی دیا کہ آپ میاں صاحب کے لئے اس قدر عظیم الشان دعا کرتے ہیں کسی اور کے لئے اس قسم کی دعا کیوں نہیں کرتے اس پر حضور نے فرمایا:

”اس نے تو امام ضرور بنا ہے۔میں تو صرف حصول ثواب کے لئے دعا کرتا ہوں ورنہ اس میں میری دعا کی ضرورت نہیں“میں یہ جواب سن کر خاموش ہوگیا۔

(حیات نور ص602 از شیخ عبدالقادر صاحب سابق سوداگر مل)

”...اوراسیرں کی رستگاری کا موجب ہوگا“

(پیشگوئی مصلح موعود کی ایک علامت)

لفظ رَستگار کا صحیح تلفظ

محترم شیخ محمد احمد مظہر ایڈووکیٹ

1۔ یہ لفظ رَستگار۔ را کے زبر سے ہے۔ را کے پیش سے اسے رُستگار بولنا یا لکھنا غلط ہے۔ ترکیب اس کی یہ ہے۔ رستن۔ رہا ہونا۔ نجات پانا۔ رَست۔ ماضی۔ گار۔ علامت اسم فاعل بمعنی والا یا لائق۔ پس رَستگار بمعنی چھوٹنے والا یا چھوٹنے کے لائق۔

2۔ رُستن را کے پیش سے بمعنی اُگنا۔ اس سے رُستگار نہیں آتا۔ البتہ رَستخیز اور رُستخیز(رہا ہونا۔۔ اٹھنا) بمعنی قیامت دونوں طرح درست ہے۔ لیکن رَستگار را کے زبر سے ہی درست ہے نہ کے پیش سے۔

(الفضل، 7 جنوری 1966)

مرسلہ:مستجاب قاسم،کینیڈا

شیخ مجاہد احمد شاستری۔ قادیان

اخلاقِ محمود

اخلاق کو انسان کی زندگی میں جو اہمیت حاصل ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ تاریخ میں ایسی قوم کی مثال نہیں ملتی جس میں نیکی و بدی کا سرے سے کوئی تصور نہ پایا جاتا رہا ہو۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ سچائی ، خیر پسندی اور دیانت داری انسان کی مطلوب صفات ہیں۔ انسانی ضمیر کے لئے یہ بھی ممکن نہیں ہوسکتا کہ وہ ایفائے عہد کے مقابلے میں مکر و فریب کو ، ایثار و قربانی کے مقابلے میں خودغرضی کو اور جذبہ اخوت و ہمدردی کے مقابلہ میں بغض وحسد اور ظلم وستم کو بہتر سمجھنے لگے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اخلاق کا تعلق انسان کے ارادہ و اختیار سے ہوتا ہے۔ انسانی زندگی میں حقیقی حسن و خوبی اخلاق سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اخلاق سے عاری ہونے کے بعد انسان کے پاس کوئی قابل قدر شئی باقی نہیں رہتی۔

اخلاق در حقیقت ایک عالمگیر اور آفاقی اصول کا نام ہے وہی ہماری باطنی زندگی کا قانون بھی ہے اور اس کے در پہ ہی انسان کی اندرونی زندگی میں توازن اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں ہم آہنگی پیدا ہوسکتی ہے۔ اخلاق کے ذریہ ہی آدمی کی تکمیل ہوتی ہے اور اسی کے ذریہ انسانی زندگی کی تشکیل بھی ، اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اخلاقی قدروں کالحاظ زندگی کے تمام گوشوں میں مطلوب ہے۔

اخلاق ''خلق'' کی جمع ہے، جس کے معنٰی خصلت، عادت اور طبیعت کے ہیں۔ اصطلاح میں اخلاق سے مراد وہ خصائل و عادات ہیں جو انسان سے روز مرہ اور مسلسل سرزد ہوتے رہتے ہیں اور یہی عادات و خصائل رفتہ رفتہ انسانی طبیعت کا جزو بن کر رہ جاتے ہیں جسے انسان دوسرے کے لیے تمثیل کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اگر یہ عادات اچھی ہوں تو ''اخلاق حسنہ'' اور اگر بُری ہوں تو ''اخلاق سیئہ'' کے طور پر جانی جاتی ہیں۔

اس مضمون میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اخلاق عالیہ کی ایک جھلک پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان اخلاق عالیہ کو اپنے سامنےرکھیں اور ان اخلاقِ حسنہ پر گامزن ہونے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالی ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حلیہ مبارک

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

'' آپ ایک کوہ وقار تھے ،وفا کے پتلے ،جرأت کا ایک نشان،عدل و انصاف کے بے لاگ ترازو لطیف احساسات کے آبگینے۔ سب زندہ لوگوں میں سب سے زیادہ شجاع ،سب سے بڑھ کر حلیم، غیور ،ہمدرد، شفیق ومہربان، قانع،متوکل، مہمان نواز وسیع حوصلہ، وسیع خیال ،مردم شناس ،ہر صاحب فضیلت کا اکرام کرنے والے، ہر تہی دست پر لطف و عنایت کی نظر رکھنے والے ،صاحب لطافت و ظرافت، نجیب و نظیف ،علوم ظاہری و باطنی سے پر ایک باکمال ادیب اور بلند پایہ شاعر ایک ماہر فن طبیب ،تجربہ کار ہومیوپیتھ، ایک عظیم مصنف ،ایک بے بدل مقرر،ایک لا جواب منتظم، مورخ، مدبر، مفکر، عالمی سیاست کا گہرا ادراک رکھنے والے۔۔آپ کا رنگ کھلا ہوا گندمی اور چہرہ مردانہ حسن سے مرقع تھا۔کشادہ پیشانی،ستواں ناک ،روشن بڑی بڑی آنکھیں جو عموماً نیم باز رہتی تھیں لیکن گردوپیش کے ہر اونچ نیچ حرکت و سکون سے پوری طرح باخبر ہوتی تھیں۔ جب آنکھ اٹھا کر بھر پور نگاہ سے دیکھتے تھے تو وہ پر تاثیر نظر بے روک ٹوک دل کی گہرائی تک اتر جاتی تھی ۔ایسے مواقع پر بسا اوقات ایسا احساس ہوتا تھا ۔جیسے اندھیرے میں راستہ چلتے اچانک کسی ٹارچ کی بھرپور روشنی چہرہ پر آ پڑے۔یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دل کے سب چھوٹے چھوٹے راز اس روشنی کے نیچے ننگے ہو رہیں ۔لیکن اس سے پرے کون کیا دیکھ رہا ہے اس کا کچھ علم نہیں۔میرے لئے اس کیفیت کا بیان مشکل ہے۔مگر ہر صاحب تجربہ جسے حضور نے ان بھر پور متلاشی نظر وں سے دیکھا ہوا ہے اس کی کنہ سے خوب خوب واقف ہے ۔۔۔آپ کا قد درمیانہ چھاتی چوڑی اور جسم بھرا ہوا اور مضبوط تھا رفتار تیز تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے احادیث نبوی میں سرورِدو عالم حضرت رسول اکرم ﷺ کی رفتار کے بارہ میں جو آتا ہے حضور بھی اسی سنت کی پیروی فرما رہے ہیں ۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اسی تیز رفتاری سے چلا کرتے تھے ۔حضور کی رفتار باوقار ہونے کے باوجود اس قدر تیز تھی کہ عام آدمی دوڑ دوڑ کر ساتھ رہنے کی کوشش کرتے تھے ۔''

(ماہانہ مصباح نومبر،دسمبر 1965ء)

ٹوپی پہننے کی عادت

مورخ احمدیت مکرم مولانا دوست محمد شاہد لکھتے ہیں۔

''سیدنا حضرت محمود بچپن میں ٹوپی پہنا کرتے تھے لیکن ایک دفعہ عید کے روز آپ نے ٹوپی پہن رکھی تھی حضور علیہ السلام نے آپ کو دیکھ کر فرمایا میاں تم نے عید کے دن بھی ٹوپی پہن رکھی ہے ۔آپ نے اسی وقت ٹوپی اتار دی اور پگڑی پہن لی ۔اور کچھ عرصہ کے بعد ٹوپی کا استعمال ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا ۔''

کھیل

''ہمارے ملک کے بچوں میں ایک دلچسپ کھیل رائج ہے کہ ایک لڑکا بیٹھ جاتا ہے اور باقی سب لڑکے اس کے سرپر اوپر نیچے مٹھیاں بند کر کے رکھتے چلے جاتے ہیں۔آپؓ بھی بچپن میں یہ کھیل کھیلا کرتے تھے۔مگر یہ ابتدائی عمر کی بات ہے۔ورنہ تعلیمی دور اور اس کے بعد آپؓ کی پسندیدہ کھیل بیڈمنٹن اور فٹ بال تھی۔جو اپنے زمانہ خلافت سے قبل آپ ایک عرصہ تک کھیلتے رہے ۔ان ورزشی کھیلوں کے علاوہ شکار سے بھی آپؓ کو رغبت تھی۔ آپؓ کشتی رانی اور تیراکی بھی کرتے تھے ۔چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک کشتی بھی جہلم سے منگوا رکھی تھی اور آپؓ کو تیرناسکھانے کے لئے ابو سعید عرب مقرر ہوئے تھے ۔۔۔حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ جو پہلی مرتبہ 1905ء میں قادیان آئے۔ تو انہوں نے اپنی آنکھوں سے حضور کو ڈھاب میں کشتی چلاتے دیکھا ہے ۔''

(تاریخ احمدیت جلد 4صفحہ نمبر18)

تربیت قبول کرنے کی اہلیت

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں ۔

''بعض لوگوں کی بچپن میں تربیت کا اب تک مجھ پر اثر ہے اور جب وہ واقعہ یاد آتا ہے تو بے اختیار ان کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔ایک دفعہ میں ایک لڑکے کے کندھے پر کہنی ٹیک کر کھڑا تھا ۔کہ ماسٹر قادر بخش صاحبؓ نے جو مولوی عبد الرحیم دردؓ صاحب کے والد صاحب تھے ۔اس سے منع کیا اور کہا کہ یہ بہت بری بات ہے ۔اس وقت میری عمر بارہ تیرہ سال کی ہوگی ۔لیکن جب بھی وہ نقشہ میرے سامنے آتا ہے ۔ان کے لئے دل سے دعانکلتی ہے۔ اسی طرح ایک صوبیدار صاحب مرادآباد کے رہنے والے تھے ۔ان کی ایک بات بھی مجھے یاد ہے۔ہماری والدہ چونکہ دلّی کی ہیں ۔اور دلی بلکہ لکھنؤ میں بھی ''تم'' کہہ کر مخاطب کرتے ہیں بزرگوں کو بے شک آپ کہتے ہیں لیکن ہماری والدہ کے کوئی بزرگ چونکہ یہاں تھے نہیں کہ ہم ان سے آپ کہہ کر کسی کو مخاطب کرنا بھی سیکھ سکتے ۔ اس لیے میں دس گیارہ سال کی عمر تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ''تم'' ہی کہا کرتا تھا ۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے مدارج بلند کرے ۔

صوبیدار محمد ایوب خان صاحب مرادآباد کے رہنے والے تھے، گورداسپور میں مقدمہ تھا اور میں نے بات کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ''تم'' کہہ دیا ۔وہ صوبیدارصاحب مجھے الگ لے گئے اور کہا کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرزند ہیں اور ہمارے لئے باعث ادب ہیں لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ ''تم'' کا لفظ برابر والوں کے لئے بولا جاتا ہے بزرگوں کے لئے نہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے اس کا استعمال میں بالکل برداشت نہیں کر سکتا ۔یہ پہلا سبق تھا جو انہوں نے اس بارہ میں مجھے دیا ۔''

(الفضل 11مارچ 1933ء)

صفائی

حضرت سیدہ مریم صدیقہ(ام متین)حرم حضرت مصلح موعودؓ بیان کرتی ہیں:

''حضور کی طبیعت نہایت نفیس اور صفائی پسند تھی۔سادہ صاف ستھرے کپڑے پہنتے تھے ۔صابن ہمیشہ اچھی قسم کا استعمال فرماتے تھے ۔اپنی ذات پر کبھی زیادہ خرچ نہ کیا۔ لیکن کہا کرتے تھے کہ عام بنے ہوئے صابن سے مجھے بو آتی ہے ۔بہترین کمپنی کا بنا ہوا اعلیٰ ترین صابن ہمیشہ استعمال میں رہا۔خوشبو بہت پسند تھی لیکن بہت نفیس قسم کی۔اسی پسند کی وجہ سے خود بھی خوشبو تیار کرنے میں لگ گئے تھے۔بہت کم بازاری بنا ہوا عطر پسند آتا تھا ۔حس اتنی تیز تھی کہ تیز خوشبو کوئی ملاقاتی لگا کر آجاتا تو سر میں درد ہونے لگ جاتا۔ناک کے آگے رومال رکھ لیتے تھے کہ تکلیف اس خوشبو سے بڑھ نہ جائے ۔تولئے ہمیشہ اچھی قسم کے خریدتے تھے ۔جسم کی کھال اتنی نازک اور ملائم تھی کہا کرتے تھے کہ معمولی تولئے سے کھال چھل جاتی تھی ۔یہ چاہتے تھے کہ کمرہ صاف رہے پر یہ برداشت نہ تھا کہ میرے رکھے ہوئے کاغذات اور کتب ادھر ادھر رکھ کردی جائیں ۔اس سے بہت گھبراتے تھے کہ کبھی صفائی کرتے ہوئے آپ کی کتب جگہ سے بے جگہ ہو جاتیں یا ضروری کاغذات نہ ملتے تو پریشان ہو جاتے ۔''

(ماہنامہ خالد فروری1969ء)

اللہ تعالیٰ سے محبت

حضرت سیدہ مریم صدیقہ(ام متین)حرم حضرت مصلح موعودؓ بیان کرتی ہیں:

''آپؓ کو اللہ تعالیٰ سے کتنی محبت تھی اسلام کے لئے کتنی تڑپ تھی ۔اس کی مثال کے طور پر ایک واقعہ لکھتی ہوں ۔عموماً شادیاں ہوتیں،اور دولہا اور دلہن ملتے ہیں تو سوائے عشق اور محبت کی باتوں کے اور کچھ نہیں ہوتا ۔مجھے یاد ہے کہ میری شادی کی پہلی رات بے شک عشق و محبت کی باتیں بھی ہوئیں مگر زیادہ تر عشق الٰہی کی باتیں تھیں۔ آپ کی باتوں کا لب لباب یہ تھا کہ اور مجھ سے ایک طرح عہد لیا جا رہا تھا کہ میں ذکر الٰہی اور دعاؤں کی عادت ڈالوں۔ دین کی خدمت کروں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی عظیم ذمہ داریوں میں آپ کا ہاتھ بٹاؤں ۔بار بار آپ نے اس کا اظہار فرمایا کہ میں نے تم سے شادی اسی غرض سے کی ہے اور میں خود بھی اپنے والدین کے گھر سے یہی جذبہ لے کر آئی تھی۔''

(الفضل 25 مارچ1966ء)

ایمان باللہ ہونے کے ایمان افروز نمونے

حضرت سیدہ مریم صدیقہ(ام متین)حرم حضرت مصلح موعودؓ بیان کرتی ہیں:

''انسان جس ہستی سے محبت کرتا ہے اس سے ناز بھی کرتا ہے اور وہ اپنی محبوب ہستی کے ناز بھی اٹھاتا ہے۔آپ کے ایک مضمون کا اقتباس درج کرتی ہوں جس سے اس مضمون پر روشنی پڑھتی ہے۔آپؓ تحریر فرماتے ہیں ۔

''کچھ دن ہوئے ایک ایسی بات پیش آئی جس کا کوئی علاج میری سمجھ میں نہ آتا تھا ۔اس وقت میں نے کہا کہ ہر ایک چیز کا علاج خدا تعالیٰ ہی ہے ۔اسی سے اس کا علاج پوچھنا چاہئے ۔اُس وقت میں نے دعا کی اور اس وقت ایسی حالت تھی کہ میں نفل پڑھ کر زمین پر ہی لیٹ گیا ۔اور جیسے بچہ ماں باپ سے ناز کرتا ہے ۔اسی طرح میں نے کہا اے خدا میں چارپائی پرنہیں زمین پر ہی سوؤں

گا اس وقت مجھے خیال آیا کہ حضرت خلیفہ اوّل نے مجھے کہا ہوا ہے کہ تمہارا معدہ خراب ہے۔ لیکن میں نے کہا آج تو میں زمین پر ہی سوؤں گا۔۔۔ جب میں زمین پر سو گیا تو خدا کی نصرت اور مدد کی صفت جوش میں آئی ،اور متمثل ہو کر عورت کی شکل میں زمین پر اتری ایک عورت تھی اس کو اس نے سوٹی دی اور کہا کہ اسے مار اور کہو کے جاکر چارپائی پر سو میں نے اس عورت سے سوٹی چھین لی ۔اس پر اس نے (خدا تعالیٰ کی اس مجسم صفت نے)سوٹی پکڑ لی اور مجھے مارنے لگی اور میں نے کہا لو مار لو ۔مگر جب اس نے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا ۔تو زور سے سوٹی کو گھٹنے تک لا کر چھوڑ دیااور کہا دیکھ محمود میں تجھے مارتی نہیں پھر کہہ رہی ہوں کہ اٹھ کے سو رہو یا نماز پڑھ ۔میں اسی وقت کودکرچارپائی پر چلا گیا ور جا کر سو رہا۔ اس حکم کی تعمیل میں سونا ہی بہت بڑی برکات کا موجب ہے ۔'' (الفضل25مارچ1966ء)

دعا کی قوت پر کامل یقین

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد فرماتے ہیں :

''آپؓ کے کردار کا ایک نمایاں پہلو دعاپر کامل یقین اور اعتماد تھا۔جب بھی جماعت پر کوئی ابتلاء آتا تو آپ بیت الدعا میں گھنٹوں دعا میں صرف فرماتے۔ میں نے ہجرت کے موقع پر کئی مرتبہ دیکھا کہ آپ جب بیت الدعا سے باہر تشریف لاتے تو آپ کی آنکھیں سرخ اور متورم ہوتیں ۔

ایک اور واقعہ جس کا آج تک میرے دل و دماغ پر گہرا اثر ہے اور مجھے اس طرح لگتا ہے جس طرح کل کا واقعہ ہوکہ میں رات کو اپنے قادیان والے گھرکے باہر والے مردانہ حصہ کے صحن میں سویا ہوا تھا۔گرمیوں کا موسم تھا کہ میری آنکھ دردناک دل ہلا دینے والی کرب میں ڈوبی ہوئی آوازسے کھل گئی اور مجھے خوف محسوس ہوا۔جب میں نیند سے پوری طرح بیدار ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ حضرت مصلح موعود تہجد کی نماز جو آپ حضرت اُم ناصر والے مکان کے اوپر والے صحن میں ادا فرما رہے تھے۔جس کی دیوار ہمارے گھر سے ملحقہ تھی ،کی دردناک دعاؤں کی آواز تھی میں نے غورسے سننے کی کوشش کی تو آپ بار بار اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کو اتنے گداز سے پڑھ رہے تھے کہ یوں معلوم دیتا تھا کہ ہانڈی اُبل رہی ہو مجھے یوں لگا کہ آپ نے اس دعا کو اتنی مرتبہ پڑھا جیسے کبھی ختم نہ ہوگی۔اس رات کی یاد مجھے جب تک زندہ ہوں کبھی نہ بھولے گی۔'' (الفضل انٹرنیشنل 16تا 22فروری 1996ء)

دعاؤں میں انہماک

حضرت شیخ محمد اسماعیل سرساوی صاحب کا بیان ہے۔

''ہم نے اپنی آنکھوں سے آپ کے بچپن کو دیکھا اور پھر اسی بچپن میں آپ کے ایثار اور آپ کی نیکی اور تقویٰ کو خوب دیکھا۔ہم نے دیکھا کہ آپ کے قلب میں دین کا ایک جوش موجزن تھا اور بچپن ہی سے آپ دعاؤں میں اس قدر محو اور غرق ہوتے تھے کہ ہم تعجب سے دیکھا کرتے تھے کہ یہ جوش ہم میں کیوں نہیں؟ آپؓ بعض وقت دعاؤں میں ایسے محو ہوتے تھے کہ ہم ہاتھ اٹھائے اٹھائے تھک جاتے تھے ۔لیکن آپ کواپنی محویت میں اس قدر بھی معلوم نہ رہتا کہ کس قدر وقت گزر گیا ہے ۔چناچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سورج گرہن کی نماز پڑھنے کے لئے ہم مسجد اقصیٰ میں جمع ہوئے ۔نماز مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے پڑھائی اور نماز کے بعد مولوی صاحب نے حضرت صاحبزادہ صاحب سے عرض کی کہ ''میاں آپ دعا شروع کریں'' آپ نے دعا شروع فرمائی مگر آپ اس دعامیں ایسے محو ہوئے کہ آپ کو یہ خبر ہی نہ رہی کہ میرے ساتھ اور لوگ بھی دعا میں شریک ہیں ۔دعا میں جس قدر لوگ شامل تھے ان کے ہاتھ اٹھے اٹھے اس قدر تھک گئے کہ وہ شل ہونے کے قریب ہو گئے اور کئی کمزور صحت کے لوگ تو پریشان ہو گئے ۔تب مولوی محمد احسن صاحب نے جو خود بھی تھک چکے تھے دعا کے خاتمہ کے الفاظ بلند آواز سے کہنے شروع کئے، جسے سن کر آپ نے دعا ختم کی ۔'' (الحکم 28دسمبر 1939ء)

نماز باجماعت کے قیام کی کوشش

حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ

''حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کو خدمت دین کی جوالہانہ لگن تھی اس میں نماز باجماعت کے قیام کی کوشش کو ایک نمایا ں مقام حاصل تھا ۔آپ کے خطبات اور فرمودات اور انتظامی اقدامات میں ہمیں بیسوں جھلکیاں اس کوشش کی نظر آتی ہیں اگرچہ شدید جماعتی مصروفیات کے باعث اپنے بچوں کی خصوصی تربیت کا ان کو بہت کم وقت میسر آتا لیکن اگر آپ کی اولاد کی بچپن کی یادوں کو چھیڑا جائے تو بلا امتیاز ایک بات جو سب کے ذہنوں میں نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آئے گی وہ حضور کی نماز باجماعت کی لگن ہے ۔یہ ایک ایسی کوتاہی تھی جسے آپ برداشت نہ کر تے اور اگر کبھی کوئی بچہ نماز کے وقت مسجد سے غیر حاضر پایا جاتا ۔تو جو اس پر گزرتی تھی وہ اس کا دل جانتا تھا ۔

ایک مرتبہ تو مجھے یاد ہے ۔کہ ہم پانچ چھ بچے کسی کھیل میں مصروف عصر کی نماز باجماعت سے محروم رہ گئے ۔حضور جب نماز پڑھا کر واپس تشریف لائے تو ہمیں کھیلتے دیکھ لیا اور سب کو اکٹھا کر کے اپنے ساتھ حضرت امی جان کے صحن میں لے گئے اور وہاں ایک صف میں بدنی سزا دینے کے لیے کھڑا کر دیا گویا نماز باجماعت سے غیر حاضری کی سزابھی باجماعت تجویز ہوئی ۔حضورکو یہ لگن بچپن سے ہی تھی ۔اور بہت چھوٹی عمر میں ہی آپ کامسجد پہنچ کر خدا کے حضور گریہ و زاری کرنا اوراسلام کی فتح کی دعائیں مانگتے ہوئے آنسوؤں سے سجدہ گاہ کو تر کر دینا معتبر روایات سے ثابت ہے۔'' (ماہانہ خالد نومبر 1975ء)

قرآن کریم سے عشق

حضرت سیدہ مریم صدیقہ (ام متین) حرم حضرت مصلح موعودؓ بیان کرتی ہیں:

''اسی طرح قران مجید سے آپ کو جو عشق تھا ۔اور جس طرح آپ نے اس کی تفسیریں لکھ کر اس کی اشاعت کی وہ تاریخ احمدیت کا ایک روشن باب ہے ۔خدا تعالیٰ کی آپ کے متعلق پیشگوئی کہ کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو ۔اپنی پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی۔جن دنوں میں تفسیر کبیر ،لکھی نہ آرام کا خیال تھا ،نہ سونے کا نہ کھانے کا بس ایک دھن تھی کہ کام ختم ہو جائے ۔رات کو عشاء کی نماز کے بعد لکھنے بیٹھتے ہیں تو کئی دفعہ ایسا ہوا کہ صبح کی اذان ہو گئی اور لکھتے چلے گئے ۔تفسیر صغیر تو لکھی ہی آپؓ نے بیماری کے پہلے حملے کے بعد یعنی 1956ء میں۔ طبیعت کافی کمزور ہو چکی تھی ۔گو یورپ سے واپسی کے بعد صحت ایک حد تک بحال ہو چکی تھی ۔مگر پھر بھی کمزوری باقی تھی ۔ڈاکٹر کہتے تھے آرام کریں ،فکر نہ کریں ،زیادہ محنت نہ کریں ۔لیکن آپ کو ایک دھن تھی کہ قرآن کے ترجمہ کا کام ختم ہو جائے ۔بعض دن صبح سے شام ہو جاتی اور لکھواتے رہتے ۔کبھی مجھ سے املاء کرواتے ۔مجھے گھر کا کام ہوتا تو مولوی یعقوب صاحب مرحوم کو ترجمہ لکھواتے رہتے ۔آخری سورتیں لکھوا رہے تھے کہ غالباً انتیسواں سپارہ ہی تھایا آخری شروع ہو چکا تھا ۔(ہم لوگ نخلہ میں تھے وہیں تفسیر مکمل ہوئی تھی)کہ مجھے بہت تیز بخار ہو گیا میرا دل چاہتا تھا کہ متواتر کئی دنوں سے مجھے ہی ترجمہ لکھوا رہے ہیں ۔میرے ہاتھوں ہی یہ مقدس کام ختم ہو ۔میں بخار سے مجبور تھی ان سے کہا کہ میں نے دوائی کھا لی ہے۔آج یا کل بخار اتر جائے گا ۔دو دن آپ بھی آرام کر لیں آخری حصہ مجھ سے ہی لکھوائیں ۔تا میں ثواب حاصل کر سکوں ۔نہیں مانے کہ میری زندگی کا کیا اعتبار ۔تمہارے بخار اُترنے کے انتظار میں گر مجھے موت آ جائے تو؟سارا دن ترجمہ اور نوٹس لکھواتے رہے ۔اور شام کے قریب تفسیر صغیر کا کام ختم ہو گیا۔

قرآن مجید کی تلاوت کا کوئی وقت مقرر نہ تھا ۔جب بھی وقت ملا تلاوت کر لی یہ نہیں کہ دن میں صرف ایک بار یا دو بار عموماً یہ ہوتا کہ صبح اٹھ کر ناشتہ سے فارغ ہو کر ملاقاتوں کی اطلاع ہوئی آپ انتظار میں ٹہل رہے ہیں قرآن مجید ہاتھ میں ہے لوگ ملنے آ گئے ۔قرآن مجید رکھ دیا لوگ مل کر چلے گئے پڑھنا شروع کر دیا تین تین چار چار دنوں میں عموماً میں نے ختم کرتے ہوئے دیکھا ہے ۔ہاں جب کام زیادہ ہوتا تو زیادہ دن میں بھی لیکن ایسا بھی ہوتا تھا کہ صبح سے قرآن مجید ہاتھ میں ہے ٹہل رہے ہیں اور ایک ورق بھی نہیں الٹا ۔دوسرے دن دیکھا تو پھر وہی صفحہ میں نے کہا کہ آپ کے ہاتھ میں قرآن مجید ہے لیکن آپ پڑھ نہیں رہے تو فرماتے ''ایک آیت پر اٹک گیا ہوں جب تک اس کے مطالب حل نہیں ہوتے آگے کس طرح چلوں۔''

آنحضرت ﷺ سے بے انتہا عشق

حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ(ام متین)حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتی ہیں۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے بےانتہا عشق تھا مجھے کبھی یاد نہیں کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا اور آپ کی آواز میں لرزش اور آپ کی آنکھوں میں آنسوں نہ آگئے ہوں آپ کے مندرجہ ذیل اشعار جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لکھے گئے ہیں آپ کی محبت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

مجھے اس بات پر ہے فخر محمود
میرا معشوق محبوب خدا ہے
ہو اس کے نام پر قربان سب کچھ
کہ وہ شہنشہ ہر دو جہاں ہے
اسی سے میرا دل پاتا ہے تسکین
وہی آرام میری روح کا ہے
خدا کو اس سے مل کر ہم نے پایا
وہی اک راہ دیں کا رہنما ہے

اسی طرح آپؓ کی مندرجہ ذیل تحریر بھی آپؓ کی آنحضرت ﷺ سے محبت پر روشنی ڈالتی ہے۔

'' نادان انسان ہم پر الزام لگاتا ہے کہ مسیح موعودؑ کو نبی مان کر گویا ہم آنحضرت ﷺ کی ہتک کرتے ہیں اسے کسی کے دل کا حال کیا معلوم اسے اس محبت اور پیار اور عشق کا علم کا کس طرح ہو جو میرے دل کے ہر گوشہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے ۔وہ کیا جانے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میرے اندر کس طرح سرایت کر گئی ۔وہ میری جان ہے ۔ میرا دل ہے میری مراد ہے ۔میرا مطلوب ہے ۔اس کی غلامی میرے لئے عزت کا باعث ہے اور اس کی کفش برداری میرے لئے تخت شاہی سے بڑھ کر معلوم دیتی ہے ۔اس کے گھر کی جاروب کشی کے مقابلہ میں بادشاہت ہفت اقلیم ہیچ ہے ۔وہ خدا تعالیٰ کاپیارا ہے۔پھر میں کیوں اس سے پیارنہ کروں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے پھر میں اس سے کیوں محبت نہ کروں وہ خدا تعالیٰ کا مقرب ہے ۔پھر میں کیوں اس کا قرب تلاش نہ کروں ۔میرا حال مسیح موعود کے اس شعر کے مطابق ہے کہ

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم''

(الفضل26مارچ1966ء)

حضرت مسیح موعودؑ پر ایمان اور محبت

'' دوسرا واقعہ یوں ہے ۔بےوقوفی کے واقعات میں مجھے بھی اپنا ایک واقعہ یاد آتا ہے ۔کئی دفعہ اس واقعہ کو یاد کرکے ہنسا بھی ہوں اور بسا اوقات میری آنکھوں میں آنسوں بھی آ گئے ۔مگر میں اسے بڑی قدر کی نگاہ سے بھی دیکھا کرتا ہوں اور مجھے اپنی زندگی کے جن واقعات پر ناز ہے ۔ان میں وہ ایک حماقت کا واقعہ بھی ہے۔وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے ایک رات میں ہم سب صحن میں سو رہے تھے گرمی کا موسم تھا کہ آسمان پر بادل آیا اور زور سے گرجنے لگا ۔اسی دوران میں قادیان کے قریب ہی کہیں بجلی گر گئی ۔مگر اس کی کڑک اس زور کی تھی کہ قادیان کے ہر گھر کے لوگوں نے سمجھا کہ یہ بجلی شاید ان کے گھر میں

ہی گر گئی ہے ۔اس کڑک اور کچھ بادلوں کی وجہ سے تمام لوگ کمروں میں چلے گئے ۔جس وقت بجلی کی یہ کڑک ہوئی اس وقت ہم بھی جو صحن میں سو رہے تھے اٹھ کر اندر چلے گئے ۔مجھے آج تک وہ نظارہ یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب اندر کی طرف جانے لگے تو میں نے اپنے دونوں ہاتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سر پر رکھ دئے ۔کہ اگر بجلی گرے تو مجھ پر گرے ۔بعد میں جب میرے ہوش ٹھکانے آئے تو مجھے اپنی اس حرکت پر ہنسی آئی کہ ان کی وجہ سے تو ہم نے بجلی سے بچنا تھا نہ یہ کہ ہماری وجہ سے وہ بجلی سے محفوظ رہتے۔‘‘

(سوانح فضل عمر جلد اوّل صفحہ 150)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا اظہار خوشنودی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں۔

’’جب حضرت مسیح موعود علیہ الالسلام کی وفات کے بعد میں نے ’’صادقوں کی روشنی کو کون دور کر سکتا ہے‘‘کے نام سے ایک کتاب لکھی، تو حضرت خلیفہ اوّلؓ نے مولوی محمد علی صاحب کو کہا کہ مولوی صاحب مسیح موعود کی وفات پر مخالفین نے جو اعتراضات کئے ہیں ان کے جواب میں تم نے بھی لکھاہے اور میں نے بھی۔مگر میاں ہم دونوں سے بڑھ گیا ہے۔ پھر یہی کتاب حضرت مولوی صاحب نے بذریعہ رجسٹری مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھیجی ۔وہ کیوں ؟محمد حسین صاحب نے کہاکہ مرزا صاحب کی اولاد اچھی نہیں ہے ۔اس لئے کتاب بھیج کر حضرت مولوی صاحب نے ان کو لکھوایا کہ حضرت مرزا صاحب کی اولاد میں سے ایک نے تو یہ کتاب لکھی ہے جو میں تمہاری طرف بھیجتا ہوں ۔تمہاری اولاد میں سے کسی نے کوئی کتاب لکھی ہو تو مجھے بھیج دو۔‘‘

(انوار العلوم جلد 4صفحہ 350)

مکرم مولانا ظہور حسین کا بیان ہے ۔

’’ ایک دن جب حضورخلیفۃ المسیح الاوّلؓ درس دے چکے تو مجھے فرمایا کہ تم بیٹھے رہو ۔آپ نے ایک خط لکھا اور سادہ لفافے میں ڈال کر فرمایا میاں محمود احمد صاحب کو دے آؤ ۔میں نے وہ خط لے لیا ۔جب میں مسجدمبارک کے نیچے مسقف حصّہ پر پہنچا تو میرے دل میں خیال آیا کہ پڑھ لوں کیا لکھا ہے ۔جب میں نے پڑھا تو میری حیرانی کی حد نہ رہی۔حضرت خلیفۃ المسیح نے حضرت میاں صاحب کو اس طرح ادب اور محبت سے مخاطب کیا ہوا تھا۔ جس طرح کسی بڑے بزرگ کو مخاطب کیا جاتا ہے ۔مجھے اس وقت خیال آیا کہ اوہو حضرت میاں صاحب کا اتنا بڑا مقام ہے ۔اس خط میں یہ مضمون تھا کہ بازار میں بعض احمدیوں کے جھگڑے ہوتے رہتے ہیں دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح کر دے ۔‘‘

(حیات نور صفحہ 601)

بے حد محنت کی عادت

حضرت مولوی شیر علیؓ بیان کرتے ہیں :

’’حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ میں ایک بات یہ بھی پائی جاتی ہے کہ بے حد محنت اور مشقت سے کام کرنے والے انسان ہیں اور باوجود کمزوری صحت کے دن رات سخت محنت سے کام کرتے ہیں۔سفر یورپ میں حضور کے ہمراہ جن احباب کو جانے کا موقع ملا ان کا بیان ہے کہ اس سفر میں ان کو سخت محنت سے کام کرنا پڑتا تھا ۔مگر دن رات ایک کر دینے پر بھی یہ ڈر رہتا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تسلی نہیں ہوئی ۔

حضور رات کو دو دو بجے تک کام کرتے ہیں بہت بڑی ڈاک زیادہ تر رات کو ہی پڑھتے ہیں کیونکہ دن کو دوسرے کاموں کی وجہ سے موقع نہیں ملتا ۔حضور ناظروں کے کام کی نگرانی کے علاوہ ان کے دفاتر کی بھی نگرانی رکھتے ہیں اور یہ نہایت ضروری سمجھتے ہیں کہ کہ وقت کی پوری پابندی کی جائے بعض اوقات حاضری کے رجسٹروں کا بھی حضور نے معائنہ فرمایا ۔ کوئی کام بقایا رہ جائے اور اس کی تکمیل میں دیر ہو جائے تو بعض اوقات حضور ناظر اور اس کے عملہ کو حکم دیتے کہ اس وقت تک دفتر کھلا رکھیں ۔جب تک کام پورا کرکے اس کی رپورٹ نہ بھیجیں ۔خواہ ساری رات دفتر کھلا رکھنا پڑے ۔رپورٹ کے انتظار میں خود بھی جاگتے رہتے ۔‘‘

(روزنامہ الفضل 28دسمبر 1939ء صفحہ 7)

اللہ تعالیٰ کی رضا پر ہر حالت میں راضی رہتے تھے

حضرت سیدہ بشریٰ بیگم(مہر آپا)حرم حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتی ہیں۔

’’حضرت نواب محمد علی خان صاحب بیمار ہوئے اور ان کی علالت طول پکڑ گئی ۔آپ کو ان کے متعلق سخت فکر اور گھبراہٹ تھی۔ دعاؤں اور ادویہ کا خاص اہتمام فرماتے ۔باربارطبیعت پوچھواتے۔ خود دیکھنے جاتے۔ میں دیکھتی تھی کہ آپ کو غیر معمولی بے چینی اور کرب تھا ۔لیکن جب اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہو گئی۔ اور حضرت نواب صاحب فوت ہو گئے ۔تو آپ اس طرح سکون و اطمنان سے اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو گئے کہ مجھے حیرت ہوئی اس قدر صبر و تحمل کی مثال ملنی مشکل ہے ۔آپ کو اپنی ہمشیرہ (حضرت نواب صاحب کی زوجہ محترمہ)جن کے ساتھ یہ حادثہ گزرا تھا ۔انتہائی طور پر محبت تھی ۔ان کی ذرہ بھر تکلیف حضور کو برداشت نہ تھی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنا منشاء پورا کر دیا ۔تو آپ نے اپنے محبوب حقیقی کی رضا کے سامنے ہر چیز کو ہیچ سمجھا ۔‘‘

(الفضل 26دسمبر 1969ء)

جماعت احمدیہ کے دو بزرگ اور دیرینہ خادم

محترم بریگیڈئر(ر)بشیراحمدسابق امیر ضلع راولپنڈی اور محترم پروفیسرمنورشمیم خالدسابق نائب صدر مجلس انصاراللہ پاکستان کی وفات

احباب جماعت کو بہت دکھ اور افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ مؤرخہ 16فروری2020ءبروزاتوارجماعت احمدیہ کے دوبزرگان اور دیرینہ خدام محترم بریگیڈئر(ر)بشیراحمدسابق امیر ضلع راولپنڈی بعمر87سال اور محترم پروفیسرمنورشمیم خالدسابق نائب صدر مجلس انصاراللہ پاکستان بعمر82سال بقضائے الہیٰ وفات پاگئے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

محترم بریگیڈئر(ر)بشیراحمد کی نمازجنازہ اسی دن بیت العطاء پشاورروڈراولپنڈی میں دوپہرسوا12بجے ادا کی گئی۔ تدفین کے لئے جنازہ ربوہ لایا گیا۔دونوں بزرگ مرحومین کی نماز جنازہ مؤرخہ 16فروری کو ہی بعدنماز مغرب مسجدمبارک ربوہ میں ادا کی گئی۔بعدہ بہشتی مقبرہ دارالفضل میں تدفین عمل میں آئی۔نماز جنازہ

اورتدفین کے موقع پر کثیرتعداد میں احباب نے شرکت کی۔

محترم بریگیڈئرصاحب مرحوم بہت محبت واخلاص کے ساتھ خدمت دین بجالاتے تھے۔ملنسار،شفیق،خدمت خلق کرنے والے اور ضرورتمندوں کے کام دلجمعی سے کیا کرتے تھے۔خدمت دین کے معاملات میں بااصول اور وقت کے پابند تھے۔خود بھی سُرعت سے خدمات کرتےتھے اور اپنے رفقاء کارکو اس کی تلقین کرتے اور سستی برداشت نہ کرتے تھے۔اپنی عاملہ کے ممبران کو جوکام تفویض کرتے ،وقت آنے پے اس کا فالواپ ضرور کرتے کہ کام مکمل ہوا ہے کہ نہیں ۔بہت دعا گو،عبادت گزار اور خلافت سے محبت کرنے والے مخلص وجود تھے۔آخری عمر تک آپ کی یادداشت خوب تھی۔جب کسی سے ملاقات کرتے تو ان کے عزیزو اقارب کا نام لے کر حال دریافت کرتے۔

اُس وقت کے نائب امیر ضلع محترم بریگیڈیئر(ر) رانا منور احمد نے بتایا: بطور امیر ضلع مجلس عاملہ کی پہلی میٹنگ عین وقت پر شروع کی اور اپنے رفقاء کار کو یہ باور کرایاکہ نہ صرف میٹنگز بلکہ خدمت دین کا ہر ایک کام بروقت کرنے کی عادت ڈالیں۔آپ جماعتی امور میں فیصلے کرنے میں بہت فعال تھے اور ٹیم ورک کے ساتھ خدمات بجالاتے تھے۔اسی خوبی کی وجہ سے آپ نے امارت ضلع کو بہترین طریقہ سے چلایا۔آپ کچھ عرصہ سے علیل تھے،بیماری کے باوجود سارے امور ذمہ داری سے ادا کرتے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو دینی اور دنیاوی دونوں میدانوں میں خدمت کےبہت مواقع عطا فرمائے۔بطور آرمی آفیسر آپ نے عرصہ دراز تک اپنے وطن پاکستان کی خدمات میں اہم کردار ادا کیا،آپ کے

پسماندگان میں دوبیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔

محترم پروفیسرمنورشمیم خالد،محترم شیخ محبوب عالم خالد سابق صدر ،صدر انجمن احمدیہ کے بڑے صاحبزادے تھے۔اپنے والد کی طرح بہت سی خوبیوں کے مالک اور محنت وجانفشانی سے خدمت دین بجا لاتے تھے۔مجلس انصاراللہ مرکزیہ وپاکستان میں خدمات کا سلسلہ 28سال پر محیط ہے۔ان خدمات کا آغاز 1981ء سے ہواجب آپ نے مجلس عاملہ میں بطورقائدعمومی خدمت شروع کی۔مجلس انصاراللہ پاکستان میں خدمات کا یہ سلسلہ 2008ء تک جاری رہا ۔ 1982ءتا1994ء قائدتعلیم،1995ءتا2001ء

قائدوقف جدید،2002ءتا2004ء آڈیٹر،2005ءتا2008ء نائب صدرمجلس انصاراللہ پاکستان کے عہدوں پر خدمات بجالاتے رہے۔ آپ تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں پولیٹیکل سائنس کے پروفیسر بھی رہے۔بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔بزرگان سلسلہ اور دیگرخدمت کرنے والے احباب کے بارے میں خوب معلومات رکھتے تھے۔جب ملاقات ہوتی ہمیشہ ہنس کر ملتے اور حال احوال دریافت کرتے۔کچھ عرصہ سے صحت خراب ہونے کی وجہ سے بیمار چلے آرہے تھے۔خلیفہ وقت سے محبت و اطاعت اور خدمت دین میں اخلاص ووفااور محنت آپ کی نمایاں خوبیاں تھیں۔ آپ کے پسماندگان میں آپ کی اہلیہ اور ایک بیٹا ہیں۔

اللہ تعالیٰ دونوں خدمت بجالانے والے بزرگان کوجنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطافرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔آمین

****

مرزا محمد اقبال

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ملی خدمات

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمات کو دو حصوں میں تقسیم کر کے بیان کیا جا سکتا ہے۔ ایک مذہبی اور دینی خدمات اور دوسرے قومی و ملی خدمات اس مضمون میں آپؓ کی سیاسی ملی اور قومی خدما ت کا مختصراً ذکر کرنا مقصود ہے۔

یاد رہے کہ برصغیر ہند میں انگریز کی حکومت 1857ء سے لے کر 1947ء تک رہی ہے اور اس وقت سے لے کر مسلمانوں کے حقوق کسی نہ کسی رنگ میں نصب کئے جا تے رہے ہیں ۔چونکہ برصغیر ہندوستان میں دو قومیں آباد تھیں اور ہیں یعنی ہندو اور مسلمان اور ہندو بوجہ اکثریت میں ہونے اور تعلیمی لحاظ سے مسلمانوں سے آگے ہونے کی بناء پر اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کے حقوق مارنے سے ذرا بھی دریغ نہ کرتے تھے لہٰذا دو قومیں آباد ہونے کی وجہ سے لازماً دو قومی نظریہ کی بنیاد پڑنا تھی مسلمان اس بات پر مجبور ہو گئے کہ وہ انگریز سے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں ماریں چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر مسلم لیگ کی بنیاد بمقام ڈھاکہ بنگلہ دیش سابقہ مشرقی پاکستان 30دسمبر 1906ء کو پڑی اور جس کے پرچم تلے جمع ہو کر مسلمانوں نے پاکستان جیسی عظیم مملکت خداداد حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مسند امامت پر بیٹھتے ہی مسلمانوں کی رہنمائی کرنا شروع کر دی اور جماعت احمدیہ کو ہندوستان کی قومی جدوجہد میں ایک اہم اور نمایاں مقام پر کھڑا کر دیا۔ اور مسلمانانِ ہند کے حقوق کے لئے پوری سر گرمی اور جانفشانی سے اس جدوجہد میں حصہ لیا۔ اور اپنی خداداد فراست سے اعلیٰ قیادت کی بھی رہنمائی کی۔ تحریک پاکستان کی سیاسی تگ ودو اور جدوجہد میں آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپؓ نے 1933ء میں جب ہندوستان کے حالات ناگفتہ بہ تھے اور مسلمانوں میں افتراق و انتشار پایا جاتا تھا ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ قائد اعظم محمد علی جناح نے مایوسی کے عالم میں ہندوستان چھوڑ کر لندن جابیٹھنا گوارا کر لیا تھا تو آپؓ کی ہدایت پر جو آپ نے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد کو فرمائی تھی کہ قائد اعظم کو وطن واپس لانے کی سعی کریں تاکہ وہ مسلمانوں کے حقوق کے لئے سابقہ کوشش جاری رکھیں۔ آپؓ نے کوشش فرمائی اور قائد اعظم کو واپس لانے میں کامیابی حاصل کی جس کا ذکر مؤرخ احمدیت مکرم مولانا دوست محمد شاہد نے ان الفاظ میں کیا ہے لکھتے ہیں ۔

’’اپریل 1933ء عیدا لاضحیہ کے موقع پر بیت احمدیہ لندن میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں 200کے قریب مشہور شخصیتیں مدعو تھیں ۔ اس موقع پر حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد کی تحریک پر قائد اعظم محمد علی جناح نے ’’ہندوستان کے مستقبل‘‘ پر سر سٹیوارٹ سڈ ینہم ایم اے کی صدارت میں تقریر کی جس میں آپ نے بتایا کہ ہندوستان اب بہت جلد جلد ترقی کرے گا نیز یہ کہ قرطاس ابیض کی تجاویز ہندوستان کو مطمئن نہیں کر سکتیں ۔ انہیں کامل خود مختاری ملنی چاہیے۔ آپ نے اپنی تقریر کا آغاز ان الفاظ سے کیا۔

The Eloquent persuation of the Imam left me no eascape.

یعنی امام صاحب کی فصیح وبلیغ ترغیب نے میرے لئے کوئی راہ بچنے کی نہیں چھوڑی ۔

اس وقت کے حالات کے متعلق قائد اعظم خود لکھتے ہیں ۔

’’اب میں مایوس ہو چکا تھا ۔ مسلمان بے سہارا اور ڈانواں ڈول ہو رہے تھے۔ کبھی حکومت کے یار،وفادار ان کی رہنمائی کے لئے میدان میں آموجود ہوتے تھے کبھی کانگرس کے نیا زمندان خصوصی ان کی قیادت کا فرض ادا کرنے لگ تھے۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ میں ہندوستان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا نہ ہندو ذہنیت میں کوئی خوشگوار تبدیلی کر سکتا ہوں نہ مسلمانوں کی آنکھیں کھول سکتا ہوں آخر میں نے لندن ہی میں بودو باش کا فیصلہ کر لیا۔‘‘

اس ناموافق صورتحال کے باوجود حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا دلی منشاء اور خواہش تھی کہ پھر سے قائد اعظم کو سیاست ہند میں حصہ لینے کے لئے آمادہ کیا جائے آپؓ نے اس کام کے لئے حضرت مولوی عبدالرحیم درد کو منتخب فرمایا چنانچہ انہوں نے مارچ 1933ء میں انگلستان پہنچ کر حضرت صاحبؓ کی ہدایت کے مطابق قائد اعظم سے رابطہ کر لیا تھا اور یہ تقریر اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ آپ واپس آئے اور مسلمانوں کی قیادت سنبھالی اس طرح بالآخر 1947ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔

حضرت مولوی عبدالرحیم درد اپنی مختصر سوانح حیات میں لکھتے ہیں ۔

’’میں نے قائد اعظم سے مارچ 1933ء میں ان کے دفتر واقع King's Bench Walk Londonمیں ملاقات کی اور تین گھنٹوں کی بحث و تمحیص کے بعد انہیں اس بات پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ مسلمانان ہند کی خدمت کیلئے وہ پھر پبلک میں آئیں ۔ قائد اعظم میری درخواست پر ’’ہندوستان کا مستقبل‘‘ کے موضوع پر تقریر کرنے کے لئے رضامند ہو گئے اور میں نے 63میل روز لندن میں تقریر کے انتظامات کروا دیئے۔

میرے خیال میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا یہ کارنامہ قومی خدمت کے دیگر کارناموں میں نمایاں ترین ہے کیونکہ آپؓ اگر مولانا عبدالرحیم درد کو ہدایت نہ فرماتے کہ قائد اعظم کو ہندوستان واپس آ کر سیاست میں دوبارہ آنے کی ترغیب و تلقین کریں تو پاکستان بھی معرض وجود میں نہ آتا۔ یہ امر یاد رہے کہ اس واقعہ یعنی بیت الفضل لندن میں قائد اعظم کی تقریر کے کئی ماہ بعد یعنی جولائی 1933ء میں نوابزادہ لیاقت علی خاں اور ان کی بیگم قائد اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہندوستان واپس آنے کی درخواست کی۔ آخر آپ واپس تشریف لے آئے اور پاکستان کے حصول تک مسلمانوں کی قیادت فرمائی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا ۔

’’وقت آ گیا ہے کہ انگلستان برٹش ایمپائرکے دوسرے ممالک بالخصوص ہندوستان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ میل جول رکھے اور اس کے ساتھ صلح کرنے کے لئے پرانے جھگڑے کو بھلا دے اور دونوں مل کر دنیا میں آئندہ ترقیات اور امن کی بنیادوں کو مضبوط کریں... اے انگلستان تیرا فائدہ ہندوستان سے صلح کرنے میں ہے... دوسری طرف ہندوستان کو یہی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ بھی انگلستان کے ساتھ اپنے پرانے اختلافات کو بھلا دے۔‘‘

نیز فرمایا:

’’میں اپنی طرف سے دنیا کو صلح کا پیغام دیتا ہوں ۔ میں انگلستان کو بھی دعوت دیتا ہوں کہ آؤ اور ہندوستان سے صلح کر لو اور میں ہندوستان کو دعوت دیتا ہوں کہ جاؤ اور انگلستان سے صلح کر لو اور میں ہندوستان کی ہر قوم کو دعوت دیتا ہوں اور پورے ادب و احترام سے ساتھ دیتا ہوں بلکہ لجاجت اور خوشامد سے ہر ایک کو دعوت دیتا ہوں کہ آپس میں صلح کر لو اور میں ہر قوم کو یقین دلاتا ہوں کہ جہاں تک دنیوی تعاون کا تعلق ہے ہم ان کی باہمی صلح اور محبت کے لئے تعاون کرنے کو تیار ہیں اور میں دنیا کی ہر قوم کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم کسی کے دشمن نہیں ۔ ہم کانگرس کے دشمن نہیں ۔ ہم ہندو مہاسبھا والوں کے بھی دشمن نہیں ۔ مسلم لیگ والوں کے بھی دشمن نہیں اور خاکساروں کے بھی دشمن نہیں اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ ہم احراریوں کے بھی دشمن نہیں ۔ ہم ہر ایک کے خیر خواہ ہیں اور ہم صرف ان کی ان باتوں کو برا مناتے ہیں جو دین میں دخل اندازی کرنے والی ہوتی ہیں ورنہ ہم کسی کے دشمن نہیں ہیں اور ہم سب سے کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دو کہ ہم خدا تعالیٰ کی اور اس کی مخلوق کی خدمت کریں۔...‘‘

(الفضل 17جنوری 1945ء)

آپؓ کا یہ انقلابی خطبہ جو آپ نے 12جنوری 1945ء کو آزادی ہند اور قیام پاکستان کے سلسلہ میں فرمایا تھا کے ضروری اقتباسات حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس نے انگریزی زبان میں دو ورقہ شکل میں شائع کر کے وزراء دارالعلوم اور دارالامراء کے چھ سو ممبران کے علاوہ دیگر عمائدین و اکابر کو بھجوایا جس پر انہوں نے شکریہ ادا کیا اور حضرت امام صاحب کی نصیحت کا خاص دلچسپی سے مطالعہ کیا ۔ پھر اس آواز کو امریکہ اور ہندوستان میں پھیلایا ۔ اس کا خلاصہ مشرقی افریقہ ریڈیو سے چوہدری محمد شریف صاحب بی ۔اے نے نشر کیا۔

(الفضل 9جون 1945ء)

تحریک پاکستان کے اہم ترین مراحل میں سے ایک اہم مرحلہ 46-1945ء کے ہندوستان میں مرکزی اور صوبائی اسمبلی کے انتخابات تھے جس میں آپؓ نے ہر احمدی کو مسلم لیگ کی زبردست مدد کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اس بارے میں قائد اعظم محمد علی جناح کی طرف سے اخبار ڈان 8۔اکتوبر 1945ء کے شمارہ میں ایک مفصل خبر شائع کی گئی جس کا عنوان تھا۔

Ahmadiyya Cmmunity to support Muslim League.

یعنی ’’جماعت احمدیہ مسلم لیگ کی حمایت کرے گی ۔‘‘

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ان الفاظ میں مندرجہ بالا اعلان فرمایا :۔

’’میں اس اعلان کے ذریعہ... تمام صوبہ جات کے احمدیوں کو مشورہ دیتاہوں کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر پورے زور اور قوت کے ساتھ آئندہ انتخابات میں مسلم لیگ کی مدد کریں ۔ اس طرح کہ جس قدر احمدیوں کے ووٹ ہیں وہ اپنے حلقہ کے مسلم لیگی امیدوار کو دیں ۔‘‘ (الفضل 22اکتوبر 1945ء)

اللہ تعالیٰ کے بندوں کی زبان میں خدا تعالیٰ تاثیر رکھ دیتا ہے اور اسے اپنی زبان بنا لیتا ہے چنانچہ تھوڑے دنوں بعد حکومت ہند نے احمدیت کے مایہ ناز فرزند چوہدری سر محمد ظفراللہ خان کو کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں ہندوستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے لندن بھجوایا تو آپ نے افتتاح کے موقع پر اپنے خطاب میں اسی بات کو پیش کیا اور کمال خوبی سے انگلستان کے

سامنے رکھا تو پوری دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ اس بات کے حق اور مخالفت میں انگلستان کے اخبارات میں مضامین شائع ہوئے اور ہندو مسلم پریس نے زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

آپ کی اس تقریر کے نتیجہ میں حکومت برطانیہ نے لارڈ ویول کو لندن بلایا اور یوں ہندوستان کی آزادی کا آخری مرحلہ شروع ہوا۔ پھر لارڈ ویول نے ہندوستان پہنچ کر اپنی تقریر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے اسی اصول کو بیان کیا کہ ہمارے راستہ میں کئی نشیب و فراز ہیں ۔ ہر طرف ہمیں معاف کرو اور بھول جاؤ کے سنہری اصول پر عمل کرنا پڑے گا۔

(الفضل 16جون 1945ء)

آپؓ نے آزادئ ہند کے مسئلہ کی طرف رجحان کو دیکھ کر 22جون 1945ء کے خطبہ میں ہندوستانی لیڈروں کو پیغام دیا کہ انگلستان ہندوستان کی طرف اپنا صلح کا ہاتھ بڑھا رہا ہے۔ اس برطانوی پیشکش کو قبول کرنا اپنے پر اور اپنی نسلوں پر احسان عظیم کرنا ہے۔فرمایا ۔

’’میرے نزدیک ہندوستان کی اس پیشکش کو قبول کرنا انگریزوں سے صلح کرنا نہیں بلکہ اپنے آپ پر اور اپنی آئندہ آنے والی نسلوں پر احسان عظیم کرنا ہے۔ دو سو سال ہندوستان غلامی کی زندگی بسر کرتا چلا آیا ہے اور یہ ایک ایسی خطرناک بات ہے جو انسانی جسم کو کپکپا دیتی ہے… جب انسان یہ سمجھتا ہے کہ میں کسی کا غلام ہوں تو وہ کہتا ہے مجھے کیا زمین الٹی ہو یا سیدھی آسمان گرے یا قائم رہے فائدہ تو مالک کو ہے میں کیوں تکلیف اٹھاؤں۔ میں سمجھتا ہوں لیڈر لیڈر نہیں ہوں گے بلکہ اپنی قوم کے دشمن ہوں گے۔ جو ان حالات کے بدلنے کے امکان پیدا ہونے پر بھی چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے ضد کر کے بیٹھ جائیں اور ان معمولی معمولی باتوں میں اس اہم ترین موقع کو ضائع کر دیں … پس ان دنوں میں اللہ تعالیٰ سے خاص طور پر دعائیں کرو کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں یہ معاملات ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ راہ راست پر آ جائیں اور ہندوستان کی غلامی کی زنجیروں کو کاٹ کر وہ ہندوستان کو اعلیٰ مقام پر پہنچانے والے ثابت ہوں۔‘‘

(الفضل 23جون 1945ء)

اس خطبہ پر اخبار اہل حدیث کے ایڈیٹر مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا۔

’’یہ الفاظ کس جرأت اور حیرت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ کانگرسی تقریروں میں اس سے زیادہ نہیں ملتے۔ چالیس کروڑ ہندوستانیوں کو غلامی سے آزاد کرانے کا ولولہ جس قدر خلیفہ جی کی اس تقریر میں پایا جاتا ہے وہ گاندھی جی کی تقریر میں نہیں ملے گا۔‘‘

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مسلمانوں کو ایک عظیم مملکت دلانے میں کس قدر ان تھک محنت اور مسلسل تگ و دو فرمائی۔ ان کی یہ خدمات کبھی بھی فراموش نہیں کی جا سکیں گی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب بھی پاکستان کی تشکیل کا ذکر ہو گا آپ کو بھی یاد کیا جائے گا۔ اللہ نے چاہا تو۔اللہ تعالیٰ آپ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور خدمات عظیمہ کا بہترین اجر بخشے۔آمین

ع ملت کے اس فدائی پر رحمت خدا کرے

ملت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

غیر از جماعت کا حضرت مصلح موعودؓ کو خراج عقیدت

حضرت مصلح موعودؓ، خلیفۃ المسیح الثانی کا وجود ایک مبارک وجود تھا۔وہ ایک نور تھا جو زمانے کی تاریکیوں کو اجالوں میں بدلنے کے لئے آیا تھا۔وہ ایک مسیحی نفس تھا جس نے بیمار اور مردہ نفوس کو شفا بخشی اور زندگی کی عطاکی۔وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب بنا۔وہ علوم ظاہری و باطنی سے پر تھا۔اس کی آمد خدا کے فرشتوں کی معیت میں ہوئی۔ملک و قوم اور دین حق کی محبت اس کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔حضرت محمد مصطفی ﷺاور خدائے واحد کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پہنچانا اس کی زندگی کا واحد مقصد تھا۔آپ کی وفات سے نہ صرف احمدیت بلکہ ایک جہان کا باب ختم ہوا۔ایک زریں باب۔جس کے بغیر کبھی کوئی تاریخ مکمل نہیں ہو سکے گی اور جس کا تذکرہ کئے بغیر کبھی کوئی مؤرخ غیر جانبدار نہیں کہلا سکے گا۔آپ کی وفات پر ہر منصف مزاج اور صاحب علم و بصیرت نے اس خلاء کو بشدت محسوس کیا اور جرأت مند طبقہ نے اس کا اظہار بھی کیا۔ آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو خراج عقیدت پیش کیا۔ان میں سے چند ایک کے تاثرات قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔

انگریزی ہفت روزہ ’’دی لائٹ‘‘ نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے وصال پر نذرانہ عقیدت کے طور پر

“A Great Nation Builder”

کے زیر عنوان جو نوٹ اپنی 16نومبر1965ء کی اشاعت میں شائع کیا ہے۔اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

’’امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کی وفات انتہائی طور پر پرازواقعات ایک ایسی زندگی کا اختتام پر منتج ہوئی ہے جو دور رس نتائج کے حامل، بے شمار عظیم الشان کارناموں اور مہمات سے لبریز تھی۔آپ علوم و فنون پر حاوی ایک نابغہ روزگار وجود اور بے پناہ قوت عمل سے مالا مال شخصیت تھے۔گزشتہ نصف صدی کے دوران دینی علم و فضل سے لے کر تبلیغ و اشاعت اسلام کے نظام تک اور مزید برآں سیاسی قیادت تک فکر و عمل کا بمشکل ہی کوئی ایسا شعبہ ہوگا جس پر مرحوم نے (اپنے منفردانہ اثر کا) گہرا نقش نہ چھوڑا ہو۔دنیا بھر میں پھیلا ہوا اسلامی مشنوں کا ایک جال ، اطراف و جوانب میں تعمیر ہونے والی بیت اور عرصہ دراز سے قائم شدہ عیسائی مشنوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے والی تبلیغ اسلام کا افریقہ میں وسیع و عمیق نفوذ، یہ وہ کارہائے نمایاں ہیں جو مرحوم کی تخلیقی منصوبہ بندی، تنظیمی صلاحیت اور انتھک جدو جہد کے حق ایک مستقل اور پائیدار یادگار کی حیثیت رکھتے ہیں۔حالیہ زمانہ میں بمشکل ہی انسانوں کا کوئی اور ایسا لیڈر ہو گا جو اپنے متبعین کی اتنی برجوش محبت اور جاں نثاری کا مستحق ثابت ہوا ہو۔پھر آپ کے متبعین کی طرف سےپر جوش محبت اور جاں نثاری کا اظہار صرف آپ کی حیات تک ہی محدود نہ تھا بلکہ اس کے بعد بھی اس کااظہار اسی شدت سے ہوا جب کہ ملک کے تمام حصوں میں سے60ہزار لوگ اپنے جدا ہونے والے امام کو آخری نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے دیوانہ وار دوڑے چلے آئے۔جماعت احمدیہ کی تاریخ میں مرزا صاحب کا نام ایسے عظیم معمار قوم کے طور پر زندہ رہے گا جس نے شدید مشکلات کے علی الرغم ایک متحد مربوط جماعت قائم کرکے دکھائی اور اسے ایک ایسی قوت بنا ڈالا کہ جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ہم اس عظیم نقصان پر آپ کے سوگوار خاندان کی خدمت میں دلی تعزیت پیش کرتے ہیں۔‘‘

(ترجمہ:مسعود احمد دہلوی بحوالہ الفضل ربوہ 18دسمبر65ء صفحہ8)

علوم قرآنی کی عالمگیر اشاعت اور اسلام کی آفاق گیر تبلیغ میں جو کوشش امام جماعت احمدیہ نے کیں ان کا صلہ اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرمائے۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اپنے اخبار ’’صدق جدید‘‘ لکھنؤ میں حضور کی وفات پر آپ کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا:۔

امام جماعت احمدیہ کا انتقال

کراچی سے خبر شائع ہوئی ہے کہ جماعت احمدیہ(قادیانی) کے امام مرزا بشیر الدین محمود کا 8نومبر کو ربوہ میں انتقال ہوگیا۔مہینوں کیا برسوں سے سخت بیمار چلے آتے تھے اور یہ طویل اور شدید بیماری کلمہ گو کے لئے بجائے خود گناہوں کو دھونے والی اور ان کا کفارہ کر دینے والی ہے۔دوسرے عقیدے ان کے جیسے بھی ہوں قرآن و علوم قرآنی کی عالمگیر اشاعت اور دین حق کی آفاق گیر تبلیغ میں جو کوششیں انہوں نے سرگرمی اور اولعزمی سے اپنی طویل عمر میں جاری رکھیں، ان کا صلہ اللہ انہیں عطا فرمائے اور ان خدمات کے طفیل میں ا ن کے ساتھ عام معاملہ درگزر کا فرمائے۔علمی حیثیت سے قرآنی حقائق و معارف کی جو تشریح تبیین و ترجمانی وہ کر گئے ہیں اس کا بھی ایک بلند و ممتاز مرتبہ ہے۔

(اخبار صدق جدید۔لکھنؤ جلد15۔18نومبر1965ء ، بحوالہ الفضل 22مارچ 66ء صفحہ 8)

بے پناہ تنظیمی قوت کے مالک

مشہور کالم نویس م۔ش لاہور کی ڈائری میں لکھتے ہیں۔

77سال کی عمر میں ربوہ (مغربی پاکستان) میں سوموار کی صبح کو مرزا بشیر الدین محمود احمد ’’خلیفۃ المسیح الثانی‘‘ کے انتقال سے تاریخ احمدیت کا ایک دور ختم ہوگیا۔ان کی جگہ ان کے سب سے بڑے بیٹے 56سالہ مرزا ناصر احمد کو جو آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایم اے ہیں جماعت کا تیسرا خلیفہ منتخب کیا گیا ہے۔

مرزابشیر الدین محمود احمد نے 1914ء میں خلافت…پر متمکن ہونے کے بعد جس طرح اپنی جماعت کی تنظیم کی اور جس طرح صدر انجمن احمدیہ کو ایک فعال اور جاندار ادارہ بنایا، اس سے ان کی بے پناہ تنظیمی قوت کا پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ ان کے پاس کسی یونیورسٹی کی ڈگری نہیں تھی لیکن انہوں نے پرائیویٹ طور پر مطالعہ کر کے اپنے آپ کو واقعی علامہ کہلانے کا مستحق بنا لیا تھا۔انہوں نے ایک دفعہ ایک انٹرویو میں مجھے بتایا تھا میں نے انگریزی کی مہارت ’’سول اینڈ ملٹری گزٹ‘‘ کے باقاعدہ مطالعہ سے حاصل کی۔ان کے ارشاد کے مطابق جب تک یہ اخبار خواجہ نذیر احمد کے دور ملکیت میں بند نہیں ہوگیا انہوں نے اس کا باقاعدہ مطالعہ جاری رکھا…۔

مرزا صاحب ایک نہایت سلجھے ہوئے مقرر اور منجھے ہوئے نثر نگار تھے اور ہر ایک موقع کو بلادریغ استعمال کرتے تھے جس سے جماعت کی ترقی کی راہیں کھلتی ہوں۔جماعتی نقطہ نگاہ سے ان کا یہ ایک بڑا کارنامہ تھا کہ تقسیم برصغیر کے بعد جب قادیان ان سے چھن گیا تو انہوں نے ربوہ میں دوسرا مرکز قائم کر لیا…۔

(بحوالہ روزنامہ الفضل 11دسمبر65ء صفحہ5)

تحریک کشمیر کے بانی

ہفت روزہ ’’انصاف‘‘راولپنڈی 11نومبر میں لکھتا ہے:۔

فرقہ احمدیہ کے پیشوا مرزا بشیر الدین محمود احمد بڑا عرصہ

علیل رہنے کے بعد وفات پاگئے ہیں۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

مرزا صاحب فرقہ احمدیہ کے امام ہونے کے علاوہ کشمیر کے تعلق میں ایک بڑی سیاسی اہمیت کے مالک تھے۔آپ کو اگر کشمیر کی تحریکِ آزادی کے بانیوں میں سے قرار دیا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔مرزا صاحب آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے بانی اور صدر اول تھے۔اب سے پینتیس سال قبل اسی کمیٹی نے جموں و کشمیر میں تحریک آزادی کو فروغ دیا اور اس کی آبیاری کی۔1931ء میں اور اس کے بعد جو ریاست گیر ایجی ٹیشن کئی بار ظہور پذیر ہوئی اس کی قیادت اور حمایت کشمیر کمیٹی کرتی رہی۔ دیگر تحریکوں کی طرح سیاسی تحریکیں بھی مالی امداد کے بغیر نہیں چل سکتیں۔چنانچہ 1931ء میں کشمیر کمیٹی اور جماعت احمدیہ نے کشمیر کی ایجی ٹیشن کے لئے بھاری رقوم خرچ کیں اور درجنوں احمدی وکلاء نے مفت خدمات ریاستی عوام کے لئے پیش کیں۔چنانچہ جہاں بھی کشمیر کا ذکر آتا ہے مرزا صاحب کا ذکر خیر بھی لازمی طور پر آتا ہے۔

آپؓ اللہ تعالیٰ کے سچے عاشق تھے

لائبیریا(مغربی افریقہ) کے ایک عیسائی دوست جو وہاں کی بار ایسوسی ایشن کے ممبر ہیں اور جنہوں نے سیرالیون کے ایک احمدی دوست کی معیت میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے مارچ1962ء میں ربوہ میں ملاقات کی تھی۔ حضور کی وفات کی خبر سننے پر جو پیغام بھجا اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

اخبار ”لائبیرین سٹار“کے آج کے شمارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی وفات جو 8نومبر کو ربوہ پاکستان میں ہوئی، کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جماعت احمدیہ کے سربراہ تھے۔آپ اللہ تعالیٰ کے سچے عاشق تھے۔

مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے30مارچ 1962ء کو ربوہ میں ملاقات کا موقع ملا جب کہ آپ بیمار تھے۔باوجود بیماری کے آپ افریقن بھائیوں سے مل کر بہت خوش ہوئے۔میرے ساتھ سیرالیون ایکس سروس میں ایسوسی ایشن کے سیکرٹری مکرم ابو کمارا بھی تھے۔ہم آپ کی چارپائی کے پاس دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سفر کے دوران آپ کی مدد کرے اور خیریت سے واپس افریقہ لے جائے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ میری درد مندانہ دعاؤں کو قبول کر لے کیونکہ اصولی طور پر افریقہ اور ایشیا ایک ہیں۔اللہ تعالیٰ افریقہ اور ایشیا کے لوگوں کو توفیق دے کہ وہ متحد ہو کر دنیا کو حقیقی روشنی سے آشنا کریں اور دنیا میں امن قائم کرنے کا باعث ہوں۔بالآخر آپ نے اپنے بابرکت ہاتھ ہمارے سروں پر رکھتے ہوئے ہمیں برکت دی۔

اس عزت افزائی کی بناء پر جس سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ہمیں نوازا تھا، میرا پیغام ہمدردی نئے منتخب خلیفہ جو ان کے بیٹے بھی ہیں، صدر انجمن احمدیہ کے افسروں اور جماعت کے تمام ممبروں کو پہنچادیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی وفات نہ صرف...کے لئے نقصان عظیم ہے بلکہ تمام دنیا کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ میں آپ کے ساتھ دعاؤں میں شریک ہوں کہ اللہ تعالیٰ متوفی کے درجات بلند کرے۔آمین۔

(بحوالہ روزنامہ الفضل21نومبر1965ء)

اس صدی کی بزرگ ترین ہستی

مظفر علی صاحب قریشی شجاع آباد ضلع ملتان نے لکھا:حضرت قبلہ مرزا صاحب کی خبر سن کر از حد افسوس ہوا۔آپ میرے نزدیک اس صدی کی بزرگ ترین ہستی تھے۔آپ نے دین اسلام کی اشاعت کے لئے جو کچھ کیا وہ غیر جانبدار مبصر کے لئے ایک خزینہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ آپ کے روحانی پیشوا تھے۔ جو صدمہ آپ کو پہنچ سکتا ہے اس کا اندازہ ہم نہیں کر سکتے۔ بہر حال اللہ کریم سے دعا ہے کہ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا کرے۔

(بحوالہ روزنامہ الفضل27نومبر1965ء)

سید غلام شبیر شاہ صاحب میر پور آزاد کشمیر

میر پور آزاد کشمیر کے ایک غیر از جماعت معزز دوست سید غلام شبیر شاہ صاحب نے کہا:

آج کی ریڈیو نشریات انتہائی رنج و غم کے عالم میں سنی گئیں۔جب کہ یہ خبر نشر ہوئی کہ آج جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا ربوہ میں انتقال ہوگیا ہے۔صاحب موصوف ایک بلند اخلاق، غریب پرور و دیگر کئی صفات کے علاوہ تنظیم احمدیہ کے علمبردار تھے۔ انہوں نے نمایاں طور پر قومی و مذہبی خدمات انجام دی ہیں۔مجھے صاحب موصوف کی وفات سے دلی دکھ ہوا ہے اور دعا کرتا ہوں کہ انہیں اللہ تبارک تعالیٰ اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ (بحوالہ روزنامہ الفضل27نومبر1965ء صفحہ4)

آپؓ آسمان انسانیت کے درخشندہ و تابندہ قمر تھے

لائنز انٹر نیشنل ڈسٹرکٹ305مغربی پاکستان کے زون چیئرمین (زون نمبر2)لائل پور جناب محمد ارشاد خان صاحب سیدنا حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی کے وصال پر گہرے غم و الم اور تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے مکتوب میں رقم طراز ہیں۔

حضرت امام جماعت احمدیہ (خدا تعالیٰ ان کی مقدس روح پر کروڑوں رحمتیں اور اربوں فضل نازل فرمائے)آسمان انسانیت کے وہ درخشندہ و تابندہ قمر تھے کہ جن کے بغیر آج انسانیت تہی داماں و سرگریباں ہو کے رہ گئی ہے۔ ایک موقعہ پر آپ نے نعرہ تکبیر اور آقائے مدنیؐ کے بعد انسانیت زندہ باد کا نعرہ لگوایا تھا۔ اور میرا ایمان ہے کہ اسی روز سے انسانی بلند قدروں کا صحیح شعور قلوب میں زندہ ہوا اور یہی شعور و احساس آنے والی بے شمار نسلوں کے لئے روشنی کے مینار کا کام دیتا رہے گا۔حضرت اقدس کا ایک شعر آج بار بار زبان پر آیا۔

عمل میں کامیابی موت میں ہے زندگی
جا لپٹ جا لہر سے دریا کی کچھ پروا نہ کر

آپؓ نے ایک بھرپور عملی زندگی گزارتے ہوئے واقعی طوفان حوادث اور حالات کے تھپیڑوں کی کبھی پرواہ نہیں کی اور یہی وجہ ہے کہ آج جب میں نے اس جری اور اس عظیم رہنما کے انتقال کی خبر سنی تو دل بے اختیار بھر آیا۔میری طرف سے ان سب دوستوں تک ہمدردی کا پیغام پہنچا دیجئے جو اس صدمہ کو اپنے دلوں کی دھڑکنوں میں محسوس کر رہے ہیں۔خدا حافظ

(بحوالہ روزنامہ الفضل ربوہ12نومبر1965ء ص6)

آپؓ بڑے علم دوست، علم نواز اور صلح کل کی طبیعت کے مالک تھے

مکرم حکیم یوسف حسن صاحب ایڈیٹر نیرنگ لاہور نے فرمایا:

میں مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سے شاید30سال قبل قادیان میں ملا تھا۔ان دنوں مرزا صاحب نے نیرنگ خیال میں ایک دو علمی مضامین لکھے تھے اور آپ کی دختر نیک اختر اور آپ کے بھائی صاحب نے بھی نیرنگ خیال میں اعلیٰ پایہ کے علمی مضامین لکھے تھے۔یہ مضمون بڑے پسند کئے گئے تھے اور ان کی علمی شان بڑی بلند تھی۔ میں ان سے مزید مضامین حاصل کرنا چاہتا تھا اور اس غرض کے لئے قادیان گیا۔میں قادیان کے مہمان خانہ میں ایک دن مقیم رہا۔اس دن ملاقات نہ ہو سکی۔ دوسرے دن آپ نے بلوایا اور شرف باریابی بخشا۔جب میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گیا تو آپ سیڑھی کے سامنے کھڑے تھے ۔ بڑی محبت سے پیش آئے اور اپنے پاس بٹھایا۔خیر وعافیت پوچھی۔نیرنگ خیال کے متعلق بہت سی باتیں پوچھیں اور رسالہ کی ادبی خدمات کو سراہا۔پھر موضوع گفتگو بدل کر میری طب و حکمت پر باتیں کرتے رہے۔ آخری ملاقات ربوہ میں آج سے شاید پانچ سال قبل ہوئی تھی۔ہم لاہور سے سرگودھا جا رہے تھے۔سید نازش رضوی میرے ہمراہ تھے ۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب مدت سے علیل تھے۔ ان کی مزاج پرسی کے لئے ہم ایک دن ربوہ ٹھہر گئے۔ رات کو مہمان خانہ میں قیام کیا اور اپنی آمد کی انہیں اطلاع بھجوا دی۔ صبح جمعہ کا دن تھا۔معلوم ہوا کہ جمعہ کو ملاقاتیں نہیں ہوتیں۔ پھر بھی ہم نے کوشش کی اور اپنی آمد کی اطلاع کرا دی۔شدیدعلالت کے باوجود آپ نے طلب فرما لیا۔خدمت گاروں اور محافظوں نے ہمیں اشارہ کردیا کہ صرف دس منٹ آپ پاس بیٹھیں اور کم سے کم باتیں کریں کیونکہ ڈاکٹروں کی ہدایت یہی ہے۔ہم آپ کے پاس پہنچے تو آپ ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ شدیدنقاہت تھی لیکن ہوش و حواس قائم تھے۔آپ خندہ پیشانی سے مخاطب ہوئے ۔اس قلیل وقت میں آپ نے پہلی ملاقات کا تذکرہ کیا۔ اپنی صاحبزادی کے علاج کے کا بھی ذکرکیا۔ نیرنگ خیال کے متعلق پوچھا اور کئی پرانی باتیں یاد کرائیں۔ اس ملاقات سے 25-30سال قبل جو ملاقات ہوئی تھی اس کے کئی نشان ان کی زبان سے نکلے۔ جس سے معلوم ہوا کہ انہیں سب کچھ یاد ہے اور یہ معمولی سا واقعہ انہیں خوب یاد ہے۔

اس کے بعد ہم رخصت ہوئے۔نازش رضوی اور میں مرزا صاحب کے حافظہ اور اخلاق کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔مرزا صاحب یقیناً بڑے علم دوست ، علم نواز اور صلح کل طبیعت کے مالک تھے۔ ہر شخص کی قابلیت اور خدمت کے مطابق اس کی حوصلہ افزائی کرتے اور سرپرستی فرماتے تھے۔

(بحوالہ الفضل28۔اپریل1966ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے 25 سال میں اسلام اور مسلمانوں کی بڑی بڑی خدمات سر انجام دیں

24دسمبر1939ء کے اخبار ”منادی“ میں جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تصویر شائع کرتے ہوئے لکھا ہے۔

یہ تصویر درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے قریب مسجد نواب خاں دوراں خاں میں گزشتہ سال لی گئی تھی جس میں قادیانی جماعت کے خلیفہ صاحب اور چوہدری سر محمد ظفراللہ خان صاحب اور بلبل ہندوستان سروجنی نائیڈو صاحبہ شریک تھیں۔سامنے نواب خاں دوراں خاں کا مزار ہے جو نادرشاہ ایرانی کی لڑائی میں بمقام پانی پت شہید ہوئے تھے۔ اور جن کے پوتے حضرت خواجہ میر درد کی اولاد میں وہ خاتون ہیں جو جناب مرزا بشیر الدین محمود کی والدہ ہیں۔ آج کل مرزا صاحب کی خلافت کو پچیس سالہ جوبلی قادیان میں ہو رہی ہے اور میں نےاپنے ان تعلقات کی یادگار میں جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب سے میرے تھے اور ان کے فرزند اورخلیفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد سے ہیں۔اور مرزا صاحب نے اپنی خلافت کے پچیس سالہ ایام میں اسلام کی اور مسلمانوں کی بڑی بڑی خدمات انجام دی ہیں۔اور سر محمد ظفراللہ خان جیسے خادم اسلام اور مسلمین افراد تیار کئے ہیں۔ اس لئے میں یہ تصویر اپنی جماعت اور ناظرین منادی کی معلومات کے لئے اور جوبلی کی خوشی میں دل سے شریک ہونے کے لئے شائع کرتا ہوں۔ (حسن نظامی)

(روزنامہ الفضل قادیان5جنوری1940ء)

پروفیسر مجید احمد بشیر

وابستگی و اطاعت خلافت۔حضرت مصلح موعودؓ کے ارشادات کی روشنی میں

دراصل بیعت کے بعد حقیقی رشتہ خلیفہ وقت سے قائم ہوتا ہے اور باقی سب رشتے اس کے سامنے ہیچ ہیں۔بیعت کے بعد دوسرے تمام لوگوں کی اطاعتیں اور تمام قسم کی وفاداریاں جائز ہیں لیکن ان کی وجہ سے خلیفہ وقت کی اطاعت سے کسی طور بھی انحراف نہیں ہونا چاہئے۔خلیفہ کے احکام ، ارشادات و تحریکات واجب الاطاعت ہیں ان کے مقابل کسی اور رشتےیا کسی اور تعلق کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہ جاتی۔بلکہ ان تعلقات کا انقطاع اور تمام دوستوں اور محبتوں کا اختتام ہو جانا ضروری ہو جاتاہے۔ صرف اور صرف خلیفہ وقت کی اطاعت ہی مومنین کے مدنظر ہونی چاہئے۔ ہروہ انسان جوچاہتاہے کہ اسے ہر میدان میں کامیابی ملے ، اسے فتح نصیب ہو تو اسے چاہئے کہ وہ خلیفہ وقت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خلافت کے ساتھ وابستہ کرلے اور نتیجتاً اس کی کامیابی یقینی ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کےدرج ذیل ارشادات سے خلیفہ وقت کی اطاعت اور خلیفہ کا مقام اور اس کی اہمیت عیاں ہے۔

بیعت خلافت کے بعد مبائعین کی ذمہ داریاں

اس سلسلہ میں سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ فرماتے ہیں۔

”جو جماعتیں منظم ہوتی ہیں ان پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کے بغیر ان کے کام کبھی بھی صحیح طور پر نہیں چل سکتے ------ ان شرائط اور ذمہ داریوں میں سے ایک اہم شرط اورذمہ داری یہ ہے کہ جب وہ ایک امام کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تو پھر انہیں امام کے منہ کی طرف دیکھتے رہنا چاہئے کہ وہ کیا کہتا ہے اور اس کے قدم اٹھانے کے بعد اپنا قدم اٹھانا چاہئے اور افراد کو کبھی بھی ایسے کاموں میں حصہ نہیں لینا چاہئے جن کے نتائج ساری جماعت پر آ کر پڑتے ہوں کیونکہ پھر امام کی ضرورت اور حاجت ہی نہیں رہے گی ۔ امام کا مقام تو یہ ہے کہ وہ حکم دے اور ماموم کا مقام یہ ہے کہ وہ پابندی کرے۔“ (الفضل 5 جون 1937ء)

کامیابی کی کنجی

حضرت خلیفۃالمسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

”اگر ایک امام اورخلیفہ کی موجودگی میں انسان یہ سمجھے کہ ہمارے لئے کسی آزاد تدبیر اور مظاہرہ کی ضرورت ہے تو پھر خلیفہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ امام اور خلیفہ کی ضرورت یہی ہے کہ ہر قدم پرجو مومن اٹھاتا ہے اس کے پیچھے اٹھاتا ہے اپنی مرضی اورخواہشات کو اس کی مرضی اورخواہشات کے تابع کرتا ہے ۔اپنی تدبیروں کو اس کی تدبیروں کے تابع کرتا ہے ۔ اپنے ارادوں کو اس کے ارادوں کے تابع کرتاہے ۔ اپنی آرزوؤں کواس کی آرزوؤں کے تابع کرتا ہے اوراپنے سامانوں کو اس کے سامانوں کے تابع کرتاہے ۔ اگر اس مقام پرمومن کھڑے ہوجائیں تو ان کے لئے کامیابی اور فتح یقینی ہے ۔“ (روزنامہ الفضل 4ستمبر 1937ء)

کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ کو پوری طرح خلافت کے ساتھ وابستہ رکھیں ، اپنا سب کچھ خلافت پر نثار کرنے کے لئے تیار ہوں اور خلیفۂ وقت کی دعائیں حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔کیونکہ ”اللہ تعالیٰ جب کسی کو منصب خلافت پر سرفراز کرتا ہے تو اس کی دعاؤں کی قبولیت کو بڑھا دیتا ہے۔کیونکہ اگر اس کی دعائیں قبول نہ ہوں تو پھر اس کے انتخاب کی ہتک ہوتی ہے ۔“ (منصب خلافت ، انوار العلوم جلد 2 صفحہ 49)

کامیابی کی ضمانت

حضورؓ فرماتے ہیں:

”میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خواہ تم کتنے ہی عقل مند اور مدبر ہو اپنی تدابیر اور عقلوں پر چل کر دین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے جب تک تمہاری عقلیں اور تدبیریں خلافت کے ماتحت نہ ہوں اور تم امام کے پیچھے پیچھے نہ چلو ہر گز اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت تم حاصل نہیں کر سکتے۔ پس اگر تم خدا تعالیٰ کی نصرت چاہتے ہو تو یادرکھو اس کاکوئی ذریعہ نہیں سوائے اس کے کہ تمہارا اٹھنا ، بیٹھنا، کھڑا ہونا اور چلنا اور تمہارا بولنا اور خاموش ہونا میرے ماتحت ہو“۔ (الفضل 4 ستمبر 1937ء)

خلفاء قرب الٰہی کے حصول میں ممد ہیں

اطاعت خلافت کے نتیجہ میں قرب الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ خلیفۂ وقت زمین پرخداتعالیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ اوراس کے بندوں کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے اور جو خدا تعالیٰ تک رسائی کے لئے رہنمائی کرتا ہے ۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں ۔

”انبیاء اورخلفاء اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول میں ممد ہوتے ہیں ۔ جیسے کمزور آدمی پہاڑ کی چڑھائی پرنہیں چڑھ سکتا تو سونٹے یا کھڈ سٹک کا سہارا لے کر چڑھتاہے ۔ اسی طرح انبیاء اورخلفاء لوگوں کے لئے سہارے ہیں ۔ وہ دیواریں نہیں جنہوں نے الٰہی قرب کے راستوں کو روک رکھا ہے بلکہ وہ سونٹے اور سہارے ہیں جن کی مدد سے کمزور آدمی بھی اللہ کا قرب حاصل کرلیتا ہے۔“ (روزنامہ الفضل 11ستمبر 1937ء)

خلافت کی اطاعت میں خدا تعالیٰ کی اطاعت

حضور فرماتے ہیں :

”بیشک میں نبی نہیں ہوں لیکن میں نبوت کے قدموں پر اور اس کی جگہ پر کھڑا ہوں۔ ہر وہ شخص جو میری اطاعت سے باہر ہوتا ہے وہ یقیناً نبی کی اطاعت سے باہرہوتا ہے ...... میری اطاعت اور فرمانبرداری میں خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔“ (روزنامہ الفضل 4 ستمبر 1937ء)

نصرت ہمیشہ اطاعت سے ملتی ہے

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ خلافت کی اطاعت کی طرف جماعت کو توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وہی خدا جو اس وقت فوجوں کے ساتھ تائید کے لئے آیا آج میری مدد پر ہے اور اگر آج تم خلافت کی اطاعت کے نکتہ کو سمجھو تو تمہاری مدد کو بھی آئے گا۔ نصرت ہمیشہ اطاعت سے ملتی ہے جب تک خلافت قائم رہے نظامی اطاعت پر، اور جب خلافت مٹ جائے انفرادی اطاعت پر ایمان کی بنیاد ہوتی ہے۔“ (روزنامہ الفضل 4 ستمبر 1937ء)

نیز فرمایا:

”میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خواہ تم کتنے ہی عقل مند اور مدبر ہو اپنی تدابیر اور عقلوں پر چل کر دین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے جب تک تمہاری عقلیں اور تدبیریں خلافت کے ماتحت نہ ہوں اور تم امام کے پیچھے پیچھے نہ چلو ہر گز اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت تم حاصل نہیں کر سکتے۔ پس اگر تم خدا تعالیٰ کی نصرت چاہتے ہو تو یادرکھو اس کاکوئی ذریعہ نہیں سوائے اس کے کہ تمہارا اٹھنا ، بیٹھنا، کھڑا ہونا اور چلنا اور تمہارا بولنا اور خاموش ہونا میرے ماتحت ہو۔“ (روزنامہ الفضل 4 ستمبر 1937ء)

اطاعت رسول خلیفہ کے بغیرہو ہی نہیں ہو سکتی

فرمایا: ”اطاعت رسول بھی جس کااس آیت میں ذکر ہے خلیفہ کے بغیر نہیں ہو سکتی۔کیونکہ رسول کی اطاعت کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ سب کو وحدت کے رشتہ میں پرویا جائے یوں تو صحابہؓ بھی نمازیں پڑھتے تھے اور آج کل کے مسلمان بھی نمازیں پڑھتے ہیں۔ صحابہؓ بھی حج کرتے تھے اورآج کل کے مسلمان بھی حج کرتے ہیں۔ پھر صحابہؓ اور آج کل کے مسلمانوں میں فرق کیا ہے؟ یہی کہ صحابہ میں ایک نظام کا تابع ہونے کی وجہ سے اطاعت کی روح حد کمال تک پہنچی ہوئی تھی چنانچہ رسول کریم ﷺ انہیں جب بھی کوئی حکم دیتے صحابہ اسی وقت اس پر عمل کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے لیکن یہ اطاعت کی روح آج کل کے مسلمانوں میں نہیں ...... کیونکہ اطاعت کامادہ نظام کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ پس جب خلافت ہوگی، اطاعت رسول بھی ہوگی“۔

(تفسیر کبیر جلد ششم، سورۃ النور صفحہ 369)

اطاعت امام میں ہی ہر قسم کی فضیلت ہے

حضورؓ فرماتے ہیں: ”یاد رکھو ایمان کسی خاص چیز کا نام نہیں بلکہ ایمان نام ہے اس بات کا خدا تعالیٰ کے قائم کردہ نمائندہ کی زبان سے جو بھی آواز بلند ہو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے ------ ہزار دفعہ کوئی شخص کہے کہ میں مسیح موعودؑ پر ایمان لاتا ہوں۔ہزار دفعہ کوئی کہے کہ میں احمدیت پر ایمان رکھتاہوں۔ خداکے حضور اس کے ان دعوؤں کی کوئی قیمت نہیں ہوگی جب تک وہ اس شخص کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دیتا۔ جس کے ذریعہ خدا اس زمانہ میں اسلام قائم کرنا چاہتاہے۔ جب تک جماعت کا ہر شخص پاگلوں کی طرح اسکی اطاعت میں اپنی زندگی کاہر لحہ بسر نہیں کرتا۔ اس وقت تک وہ کسی قسم کی فضیلت اور بڑائی کا حقدار نہیں ہو سکتا۔“

(روزنامہ الفضل 15نومبر 1946ء)

نعمتِ خلافت کی قدردانی کرنے کی تلقین

حضورؓ فرماتے ہیں:

”خلافت بھی چونکہ ایک بھاری انعام ہے اس لئے یاد رکھو جو لوگ اس نعمت کی ناشکری کریں گے وہ فاسق ہو جائیں گے ۔ .... فسق کا فتویٰ انسان پراسی صورت میں لگ سکتا ہے جب وہ روحانی خلفاء کی اطاعت سے انکار کرے۔“

(تفسیرکبیر جلد ششم،سورہ نور صفحہ 370-374)

تمام برکات خلیفۂ وقت سے تعلق کے نتیجہ میں مل سکتی ہیں

سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ فرماتے ہیں :

”جس کو خدا اپنی مرضی بتاتا ہے، جس پر خدا اپنے الہام نازل فرماتا ہے ، جس کو خدا نے اس جماعت کا خلیفہ اور امام بنا دیا ہے اس سے مشورہ اور ہدایت حاصل کر کے تم کام کر سکتے ہو۔ اس سے جتنا تعلق رکھو گے اسی قدر تمہارے کاموں میں برکت پیدا ہوگی۔ ------ وہی شخص سلسلہ کا مفید کام کر سکتا ہے جو اپنے آپ کو امام سے وابستہ رکھتا ہے۔ اگر کوئی وابستہ نہ رکھے تو خواہ وہ دنیا بھر کے علوم جانتا ہووہ اتنا کام بھی نہیں کر سکے گا جتنا بکری کا بکروٹا کر سکتا ہے۔“ (الفضل 20 نومبر 1946ء)

خلافت سے وابستگی اور اس کی برکات

خلافت سے وابستگی کی برکت کے بارہ میں ایک دفعہ فرمایا:

”جب تک تم اس کو پکڑے رکھو گے تو کبھی دنیا کی مخالفت تم پر اثر نہ کر سکے گی۔ بیشک افراد مریں گے ، مشکلات آئیں گی ،

تکالیف پہنچیں گی مگر جماعت کبھی تباہ نہیں ہوگی بلکہ وہ دن بدن بڑھے گی۔‘‘ (درس القرآن 1921ء ، صفحہ 73)

اس حوالے سے ایک اور جگہ فرمایا:

’’خدا چاہتا ہے کہ جماعت کا اتحاد میرے ہی ہاتھ پہ ہو اور خدا کے اس ارادہ کو اب کوئی نہیں روک سکتا ۔ کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ان کے لئے (یعنی غیر مبایعین کے لئے) صرف دو ہی راہ کھلے ہیں یا تو وہ میری بیعت کر کے جماعت میں تفرقہ کرنے سے باز رہیں یا اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر اس پاک باغ کو جسے پاک لوگوں نے اپنے خون کے آنسوؤں سے سینچا ہے اکھاڑ کر پھینک دیں ۔ جو کچھ ہو چکا ، ہوچکا۔ مگر اب اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت کا اتحاد ایک ہی طریق سے ہو سکتا ہے کہ جسے خدا نے خلیفہ بنایا ہے اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے ورنہ ہر ایک شخص جو اس کے خلاف چلے گا تفرقہ کا باعث ہوگا۔‘‘

(الفضل 18 فروری 1958ء، تقریر لاہور)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد خلافتِ احمدیہ کے بابرکت قیام کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 24 مئی 2019ء کو اپنے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

’’خلافتِ احمدیہ کے ذریعے ہی دنیا اب امّتِ واحدہ بننے کا نظارہ بھی دیکھ سکتی ہے اور اس کے بغیر نہیں جب تک خلافتِ احمدیہ سے یہ تعلق اور محبت رہے گا خوف کی حالت بھی امن میں بدلتی رہے گی اور اللہ تعالیٰ لوگوں کی تسلی کے سامان بھی پیدا فرماتا رہے گا۔ ان شاء اللہ ۔خلافت کی باتوں پر عمل کرنا بھی تمہارے لئے ضروری ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکموں میں سے ایک حکم ہے۔قومی اور روحانی زندگی کے جاری رکھنے کے لئے مومنین کے لئے یہ انتہائی ضروری چیز ہے کہ اپنی اطاعت کے معیار کو بڑھائیں۔بیعت کے بعد اپنی سوچوں کو درست سمت میں رکھنا اور کامل اطاعت کے نمونے دکھانا انتہائی ضروری ہے۔عام اطاعت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق ادا کرو۔ اس کی عبادت بھی سنوار کر کرو۔ایسے اعلیٰ اخلاق ہوں کہ احمدی اور غیر احمدی میں فرق صاف نظر آنے لگ جائے۔دنیاوی خواہشات اور ان کے پیچھے پڑ کر دین کو ثانوی حیثیت دینے کی حالت بھی شرک کی حالت ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرنے کے لئے ہمیں اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ کس حد تک ہم میں اطاعت کا مادہ ہے۔ کس حد تک ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کر رہے ہیں۔ کس حد تک ہم اپنی عبادتوں کو سنوار رہے ہیں۔ کس حد تک سنت پر عمل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کس حد تک ہماری اطاعت کے معیار ہیں۔ہر ایک کو کچھ نہ کچھ تاریخ سے آگاہی بھی ہونی چاہیے۔جو خلافت سے وابستہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکموں پر عمل کرتے رہیں گے، اپنی نمازوں کی حفاظت کریں گے، تزکیہ نفس اور تزکیہ اموال کرتے رہیں گے، اطاعت میں اعلیٰ معیار قائم کرتے رہیں گے وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بنتے رہیں گے۔‘‘

(الفضل انٹرنیشنل 10جون 2019 صفحہ 5تا 9)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جس حکمت و دانش ، جوانمردی اور الٰہی بصیرت سے جماعت کو متحد رہنے اور آپس میں اخوت و محبت کے قائم رکھنے کے لئے دن رات درس و تدریس اور وعظ و نصیحت سے کام لیا اور خلافت کی برکات پہ جو ارشادات فرمائے وہ تاریخ احمدیت کا ایک روشن باب ہیں جن کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت کا وہ حصہ تو دن دگنی رات چوگنی ترقی کرتا چلا گیا جو خلافت کے دامن سے وابستہ تھا ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو خلیفہ وقت کا مقام صحیح طور پر سمجھنے اور حقیقی اطاعت اور فرمانبرداری کی روح ہمارے اندر پیدا کرنے کی توفیق دے ۔آمین۔

حضرت مرزا بشیر احمدؓ ایم اے

ہوشیارپور میں خلوت کی عبادت ، الہام پسرِ موعود اور ایک کتاب کی تصنیف

1886ء کے شروع میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ خدائی منشاء کے ماتحت ہوشیارپور تشریف لے گئے۔ جو قادیان سے قریباً چالیس میل مشرق کی طرف واقع ہے اور پنجاب کے ایک ضلع کا صدر مقام ہے۔یہاں آپ نے چالیس دن تک ایک علیحدہ مکان میں جو آبادی سے کسی قدر جدا تھا عبادت اور ذکر الٰہی میں وقت گزارا۔ ان دنوں میں آپ اس مکان کے بالاخانہ میں بالکل خلوت کی حالت میں رہتے تھے اور آپ کے تین ساتھی جو خدمت کے لئے ساتھ گئے تھے نیچے کے حصہ میں مقیم تھے اور آپ نے حکم دیا تھا کہ مجھ سے کوئی شخص ازخود بات نہ کرے اور ان ایام میں آپ خود بھی بہت کم گفتگو فرماتے تھے اور اکثر حصہ وقت کا عبادت اور ذکرالٰہی میں گزارتے تھے۔ گویا ایک طرح آپ کی خلوت نشینی اعتکاف کا رنگ رکھتی تھی۔

ان ایام میں آپ پر بہت سے انوار سماوی کا انکشاف ہوا اور پسرموعود کے متعلق بھی انہی دنوں میں الہامات ہوئے جن میں بتایا گیا کہ خدا آپ کو ایسا لڑکا دے گا جو خدا کی طرف سے ایک خاص رحمت کا نشان ہوگا اور اس کے ذریعہ دین کو بہت ترقی حاصل ہوگی۔ چنانچہ اس الہام کے الفاظ یہ ہیں:

’’میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لودھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کردیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر! تجھ پر سلام۔ خدا نے کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں۔موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا شرف لوگوں پر ظاہر ہو اور تاحق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تالوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور تاانہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہوجائے۔ سو بشارت ہوکہ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہوگا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔

اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے وہ نوراللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم ہوگا اور علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ۔مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور۔ جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔‘‘

(اشتہار 20 فروری 1886ء)

جب حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ اس چالیس روزہ عبادت کو پورا کرچکے تو اس کے بعد آپ بیس روز مزید ہوشیارپور میں ٹھہرے اور انہی دنوں میں ہوشیارپور کے ایک جوشیلے آریہ ماسٹر مرلی دھر کے ساتھ آپ کا اسلام اور آریہ مذہب کے اصولوں کے متعلق مناظرہ ہوا جس میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ مناظرہ کے بعد جلد ہی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے ایک تصنیف ’’سرمہ چشم آریہ‘‘ کے نام سے شائع فرمائی جس میں اس مناظرہ کی کیفیت درج کرنے کے علاوہ اسلام کی صداقت اور آریہ مذہب کے بطلان میں نہایت زبردست دلائل درج فرمائے اور اعلان کیا کہ اگر کوئی آریہ اس کتاب کا رد لکھ کر اس کے دلائل کو غلط ثابت کرے تو میں اس کو انعام دوں گا۔ مگر کسی کو اس مقابلہ کی جرأت نہیں ہوئی۔ یہ کتاب 1886ء کے آخر میں شائع ہوئی اور سلسلہ احمدیہ کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کتاب میں معجزات کی حقیقت پر نہایت لطیف بحث ہے اور آریہ مذہب کے اصول دربارہ قدامت روح و مادہ وغیرہ کو زبردست دلائل کے ساتھ رد کیا گیا ہے۔ (سلسلہ احمدیہ صفحہ 27,26)

سید قمر سلیمان احمد

اسی کے موافق جو تو نے مانگا

1880ء کے لگ بھگ حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب براہین احمدیہ کی طباعت کے بعد برصغیر کے طول وعرض کے مذہبی حلقوں میں ایک ہلچل مچ گئی جس کی وجہ حضورؑ کا وہ چیلنج تھا جو حضور نے دیگر ادیان کے لیڈروں کو دین حق کے بالمقابل کوئی نشان دکھانے کے لیے دیا تھا۔

اس چیلنج کو کھول کر پہنچانے کے لیے حضورؑ نے ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں فرمایا

"آپ کو اس دین کے حقانیت یا ان آسمانی نشانوں کی صداقت میں شک ہو تو آپ طالب صادق بن کر قادیان میں تشریف لاویں اور ایک سال تک اس عاجز کی صحبت میں رہ کر ان آسمانی نشانیوں کا بچشم خود مشاہدہ کرلیں ولیکن اس شرط نیت سے (جو طلب صدق کی نشانی ہے) کہ بمجرو معائنہ آسمانی نشانوں کے اسی جگہ (قادیان میں) مشرف اظہار اسلام یا تصدیق خوارق سے مشرف ہوجائیں گے۔"

(دسواں اشتہار مجموعہ اشتہارات)

حضور کے اس کھلے چیلنج کو عموماً قبول تو نہیں کیا گیا مگر قادیان کے بعض با اثر آریوں نے حضور کی خدمت میں اس کو قبول کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی اور لکھاکہ:

"مرزاصاحب مخدوم و مکرم مرزا غلام احمد صاحب سلمہٗ

بعد ماوجب بکمال ادب عرض کی جاتی ہے کہ جس حالت میں آپ نے لنڈن اور امریکہ تک اس مضمون کے رجسٹری شدہ خط بھیجے ہیں کہ جو طالب صادق ہو اور ایک سال تک ہمارے پاس آکر قادیان میں ٹھہرے تو خدائے تعالی اس کو ایسے نشان دربارہ اثبات حقیقت اسلام ضرور دکھائے گا کہ جو طاقت انسانی سے بالا تر ہوں۔سو ہم لوگ جو آپ کے ہمسایہ اور شہر میں ہیں۔ لندن اور امریکہ والوں سے زیادہ تر حقدار ہیں۔" (لچھمن رام ۔بشند اس۔ پنڈٹ نہال چند وغیرہ)

حضور علیہ السلام نے جواباً تحریر فرمایا:

"بعد ماوجب آپ صاحبوں کا عنائیت نامہ جس میں آپ نے آسمانی نشانوں کے دیکھنے کی درخواست کی ہے مجھ کوملا۔ چونکہ یہ خط سراسر انصاف و حق جوئی پر مبنی ہے اور ایک جماعت طالب حق نے جو عشرہ کاملہ ہے اس کو لکھا ہے اس لیے بہ تمام تر شکر گذاری اس کے مضمون کو قبول کرتا ہوں۔۔۔۔۔۔"

چنانچہ یہ معاہدہ طے پاگیا اور آریوں نے اس کے لیے ستمبر1885ء سے ستمبر1886ء کا وقت مقرر کیا۔

مگر آریوں نے ایک سوال یہ اٹھایا کہ حضور نے اپنے اشتہار میں جو قبول دین حق کی شرط لگا دی ہے اس سے انہیں مبرا کردیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا کہ:

"سو اسقدر تو ہم مانتے ہیں کہ سچ کے کھلنے کے بعد جھوٹ پر قائم رہنا دھرم نہیں ہے اور نہ ایسا کام کبھی بھلے منش اور سعید الفطرت سے ہوسکتاہے۔لیکن مرزا صاحب آپ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ہدایت پا جانا خود انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ جب تک توفیق ایزدی اس کے شامل حال نہ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔سوہم لوگ جو صدہا زنجیروں قوم برادری ننگ و ناموس وغیرہ میں گرفتار ہیں کیونکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم خود اپنی ہی قوت سے ان زنجیروں کو توڑ کر اور اپنے سخت دل کو آپ ہی نرم کرکے آپ ہی دروازۂ ہدایت اپنے نفس پر کھول دیں گے اور جو پرمیشر سرب شکتی مان کا خاص کام ہے وہ آپ ہی کر دکھائیں گے۔"

حضورؑ نے اس شرط کو بھی قبول فرمالیا اور جواباً تحریر فرمایا:

"اور چونکہ آپ لوگ شرط کے طورپر کچھ روپیہ نہیں مانگتے صرف دلی سچائی سے نشانوں کا دیکھنا چاہتے ہیں اس لیے اس طرف سے بھی قبول اسلام کے لیے شرط کے طور پر آپ سے کچھ گرفت نہیں۔"

معاملہ طے پاگیا تھا اور اب حضور علیہ السلام نے خداتعالٰی سے راہ نمائی طلب فرمائی۔

حضور علیہ السلام کا ارادہ کسی علیحدہ جگہ پر چلہ کشی کرنے کا تھا۔ حضور کے قدیمی رفیق حضرت مولوی عبداللہ سنوریؓ نے درخواست کی کہ انہیں بھی اس سفر میں شمولیت کا شرف بخشا جائے۔ جسے حضور نے منظور فرمالیا اور سو جان پور جانے کا ارادہ کیا مگر مصلحت الٰہی سے یہ سفر ملتوی ہوتا رہا ۔ اور حضور کو الہاماً بتایا گیا کہ "تمہاری عقدہ کشائی ہوشیارپور میں ہوگی۔"

چنانچہ اس کے مطابق حضور جنوری 1886ء میں حضرت مولوی عبداللہ صاحبؓ ۔حضرت حافظ حامد علی صاحبؓ اور فتح خان صاحبؓ کو لیکر ہوشیار پور تشریف لے گئے اور مکرم شیخ مہر علی صاحب رئیسؓ کی حویلی کے بالا خانہ میں چالیس روز تک علیحدہ رہائش پذیر رہے جبکہ یہ تینوں دوست نچلی منزل پر فروکش ہوئے۔یہاں وحیٔ الٰہی کے ذریعہ حضور کی خواہش کے مطابق خوشخبری دی گئی کہ "اسی کے موافق جو تو نے مانگا۔"کے مصداق نشان عطا ہوگا ۔ خداتعالٰی سے یہ عظیم الشان پیش خبری حاصل کرکے حضور بیس روز مزید وہاں ٹھہرے اور مارچ1886ء میں قادیان واپس تشریف لے آئے اور ایک اشتہار کی صورت میں اسے شائع فرمایا۔

اس کی اشاعت کے ساتھ ہی ہندوستان کی مذہبی حلقوں میں ایک شور پڑگیا۔

حضور نے دعویٰ فرمایا کہ اس پیشگوئی میں ایک فوق العادت خوبیوں والے لڑکے کی پیدائش کی بشارت دی گئ ہے جو نو سال کے عرصہ میں پیدا ہوجائے گا۔ مخالفین نے شوروغوغا اور جھوٹے پراپیگنڈا سے اس پیش گوئی کی عظمت کم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ حتیٰ کہ بعض علما نے بھی اس قسم کی خبریں پھیلانی شروع کر دیں کہ دراصل حضور کے ایک لڑکا پیدا ہو چکا ہے جس کو اخفاء میں رکھا گیا ہے تاکہ کچھ عرصہ کے بعد اس کو ظاہر کرکے اس پیشگوئی کی صداقت کا اعلان کر دیاجائے ۔

اس پر حضور نے ایک اشتہار "اشتہار واجب الاظہار" شائع فرمایا کہ "ابھی تک جو22 مارچ 1886ء ہے ہمارے گھر میں کوئی لڑکا بجز دو لڑکوں کے جن کی عمر 20،22سال سے زیادہ ہے پیدا نہیں ہوا۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی نو برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا۔ خواہ جلد ہو خواہ دیر سے۔"

آریوں کو جن کے مطالبہ پر یہ پیشگوئی شائع کی گئی تھی۔ گویا آگ لگ گئی پنڈت لیکھرام نے اس کے مقابل ایک پیشگوئی شائع کی جو گندے خیالات اور الفاظ سے بھری ہوئی تھی۔ اس میں ایک بات یہ بھی کہی کہ :

"مرزا صاحب ۔اب میرا سوال یہ ہے کہ آپ کے یہ لڑکا اب کی دفعہ ہوگا یا دوسری نوبت الہام میں؟ تاہم عبارت اصل لکھی ہے کہ اگر اب کی دفعہ لڑکا ہوگیا تو الہام سچاثابت ،ورنہ دوسری دفعہ کی تاریکی بتادیں گے۔"

غرض مخالفین نے اس پیشگوئی کو تمسخر واستہزأ کا نشانہ بنالیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہایت وقار کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے نشان کا انتظار فرمانے لگے۔

7اگست1887ء کو حضور علیہ السلام کے یہاں صاحبزادہ بشیر اولؓ کی پیدائش ہوئی اور 4نومبر1888ء کو آپ وفات پا گئے۔ کسی شخص کے یہاں اولاد کی وفات ایک دکھ کی بات ہوتی ہے اور شرفأ میں تعزیت اور ہمدردی کا طریق جاری ہے مگر مخالفین نے بےہودہ طریق اختیار کرتے ہوئے شور وغوغا برپا کر دیا کہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی اور لڑکا پیداہوکر بجائے ان تمام خوبیوں کا مالک ہونے کے جو پیشگوئی میں درج ہیں۔کم عمری ہی میں انتقال کر گیاہے۔

حضور علیہ السلام نے اس موقع پر ایک تقریر فرمائی اور پیشگوئی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"کوئی شخص ایک ایسا حرف بھی پیش نہیں کر سکتا جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ مصلح موعود اورعمر پانے والا یہ لڑکا تھا جو فوت ہوگیاہے۔ 8اپریل 1886ء کا اشتہاراور نیز 7اگست1887ء کا اشتہار کہ جو اپریل1886ء کی بنا پر اور اس کے حوالہ سے بروزتولد بشیر شائع کیا گیا تھا صاف بتلا رہاہے کہ ہنوز الہامی طور پر یہ تصفیہ نہیں ہوا کہ آیا یہ لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے یاکوئی اور ہے۔"

اب مقابلہ زور پکڑ گیا اور ہندوستان کے تمام مذہبی حلقے اس بات کا شدت سے انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں حضور علیہ السلام کے یہاں نوسال کی جو مدت حضورؑ نے متعین فرمائی ہے اس میں کوئی لڑکا پیدا ہوتا ہے کہ نہیں کیونکہ کسی گھر میں لڑکے کی پیدائش خالصتاً ایسا نشان تھا جو انسانی طاقت سے بالا تر تھا۔

خداتعالٰی کے فضل وکرم سے صاحبزادہ بشیر اول کی وفات کے تقریباً دو ماہ بعد ہی 12 جنوری 1889ءکو حضور کے یہاں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ کی پیدائش ہوئی اور یوں آریوں نے جو نشان طلب کیا تھا اور حضور نے خدا تعالیٰ سے جس قسم کا نشان طلب کیا تھا اور عطا کرنے والے نے ان الفاظ میں کہ "اسی کے موافق جو تونے مانگا" تسلی دی تھی۔ بڑی شان و شوکت سے پورا ہوا۔

اس وقت تک اس نشان کی صداقت کا ثبوت صرف ایک لڑکے کی پیدائش کی حد تک ہی تھا۔سوال یہ تھا کہ کیا اس لڑکے میں وہ تمام خوبیاں موجودہوں گی جو اس پیشگوئی میں بیان کی گئی ہیں۔

پھر وقت نے ثابت کیا کہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ کی زندگی کا لحہ لحہ اس پیشگوئی کے ہر پہلو کا مصداق بنا رہا۔ اور مخالفین احمدیت کو اس پیشگوئی کی صداقت پر کسی قسم کا اعتراض کرنے کی آج تک جرات نہیں ہوئی۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت کا دم بھرنے والے بعض سادہ لوح افراد اس کوشش میں رہے کہ اس کی صداقت لوگوں پر مشتبہ کی جائے۔کسی نے کہا موعود لڑکا توسولھویں صدی ہجری میں پیدا ہوگا۔کسی نے سوسال کے بعد دعویٰ کیا کہ وہ موعود لڑکا تو دراصل میں ہوں۔میری سنو۔ وغیرہ ۔وغیرہ۔

مگر عطا کرنے والے نے اعلان کیاتھا کہ نشان "اسی کے موافق جو تونے مانگا" کے مصداق ہوگا۔ مانگنے والا دعویٰ کر رہاتھا کہ وہ لڑکا نو سال کی مدت میں پیدا ہوگا۔ مخالفین استہزأ کررہے تھے۔ اور معجزہ کی طلب قادیان کے ہندوؤں کی طرف سے تھی۔جو دو سوسال کے انتظار کے لیے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ اگر اس لڑکے نے موجود آریوں کی زندگیوں میں نہیں آنا تھا تو دوسوسال کا انتظارتو اس پیشگوئی کے پورا نہ ہونے کا مصداق ہونا تھا۔

ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا پیشگوئی میں مصلح موعود کو مامور من اللہ قرار دیا گیاتھا۔یا فوق العادت خوبیاں رکھنے والا انسان قرار دیا گیا تھا۔ جب مقابلہ ہوا تو حضور علیہ السلام نے اس سے قبل یہ شرط بھی عائد فرمائی تھی کہ اگر نشان دکھا دیا گیا تو مخالفین کو اسلام قبول کرنا ہوگا۔آریوں نے اس شرط کو ختم کرنے کی درخواست کی جسے حضور علیہ السلام نے ختم کر دیا ۔صرف یہ شرط قائم رکھی گئی کہ وہ اس نشان سے دین حق کی صداقت کا اظہار کریں گے۔اگر مصلح موعود کا ماموریت کا مقام ہوتا تو پھرآپ کو مانے بغیر جائے مفر نہیں ہوسکتی ۔ احمدیوں نے 1914ء میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ کے ہاتھ پر جو بیعت کی تھی وہ حضرت مسیح موعودؑ کے خلیفہ کے طور پر کی تھی نہ مصلح موعود کے مقام پر فائز ہونے کے طور پراور حضور نے تو اسوقت مصلح موعود ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کیا تھا۔

مصلح موعود ہونے کا دعویٰ 1944 میں کیاگیا اور اس حوالہ سے کبھی بھی تجدید بیعت نہیں ہوئی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں یہ سوال کیاگیا کہ :

"جس شخص کو حضور کے مصلح موعود ہونے کا علم دیا جائے اور اس پر حجت تمام کر دی جائے تو پھر بھی وہ حضور کا انکار کرے تو ہم اسے کیا کہیں گے۔"

حضور نے جو فرمایا:

"ہم کچھ بھی نہیں کہیں گے۔جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسے ہدایت دے گا۔ دعوت پر اصرار کرکے منوانا غیر مامور کا کام نہیں ہوتا۔اس شخص نے کہاکہ حضور کے متعلق تو ایک مامور کی پیشگوئیاں موجود ہیں اور مامور ہمیشہ مامور کے متعلق ہی پیشگوئی کیا کرتاہے۔

حضور نے فرمایا:"یہ پھر وہی نفس کا دھوکہ ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے ہر بیٹے کے متعلق پیشگوئی موجود ہے۔کیااس کے یہ معنی ہیں کہ آپ کا ہر بیٹا مامور ہے۔" (الفضل 3جون1960)

یارو جو مرد آنے کو تھا وہ تو آچکا

قدسیہ محمود سردار

سیرت حضرت مصلح موعودؓ کے حسین پہلو

دنیا میں بعض انسان ایسے بھی پیدا ہوئے ہیں جو قوموں کی تقدیر بدلنے کے لئے آتے ہیں ۔ جن کو اللہ تعالیٰ دنیا میں نمونہ بنا کر بھیجتا ہے تاکہ اس کی تقلید سے قوم میں بھی وہی اعلیٰ عادات و فضائل پیدا ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بھی ایسے وجود وں میں سے ایک تھے ۔ جن کی زندگی کا ہر لمحہ بے نفسی کے ساتھ یادِ خدا تعالیٰ اور خدا تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت میں گزرا۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ مورخہ 12 جنوری 1889 بروز ہفتہ قادیان میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام الصلوۃ السلام کی حرم ثانی حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگمؓ کے بطن سے حضورؑ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت الٰہی بشارتوں کے مطابق ہوئی جو ہستی باری تعالیٰ ، آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپؓ 12 مارچ 1944ء کو بمقام لاہور تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”5اور 6 جنوری کی درمیانی رات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے الہام کے ذریعہ بتایا کہ میں ہی وہ مصلح موعود ہوں جس کا حضرت مسیح موعودؑ کی پیش گوئی میں ذکر کیا گیا تھا اور میرے ذریعہ ہی دور دراز ملکوں میں خدائے واحد کی آواز پہنچے گی۔ میرے ذریعہ ہی محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت مسیح موعودؑ کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا۔“

ایک جگہ آپؓ فرماتے ہیں:

”وہ کون سا اسلامی مسئلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ اپنی تمام تفاصیل کے ساتھ نہیں کھولا۔ مسئلہ ختم نبوت ، مسئلہ کفر، مسئلہ تقدیر قرآنی ضروری امور کا انکشاف، اسلامی اقتصادیات، اسلامی سیاسیات اور اسلامی معاشرے وغیرہ پر تیرہ سو سال سے کوئی وسیع مضمون نہیں تھا۔ مجھے خدا نے اس خدمت کی توفیق دی“۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تعلیم کی عمر کو پہنچے تو مقامی سکول میں آپ کو داخل کرایا گیا مگر طالب علمی کے زمانہ میں چونکہ آپ کی صحت خراب رہتی تھی اس لئے آپ کو دنیاوی تعلیم سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ آپ کے استاد حضرت مسیح موعودؑ سے آپ کی تعلیمی حالت کا ذکر کرتے تو حضور فرمایا کرتے تھے کہ اس کی صحت اچھی نہیں ہے۔ جتنا یہ شوق سے پڑھے اسے پڑھنے دو، زیادہ زور نہ دو۔ خدا تعالیٰ نے پیش گوئی کے مطابق خود آپ کو ظاہری و باطنی تعلیم دی۔ جس کو دنیا نے دیکھا۔

حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ہی آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اپنی خاص تربیت میں لے لیا ۔ آپ نے ان کی صحبت اور فیض سے بہت فائدہ اٹھایا۔قرآن شریف ، حدیثوں کی بعض کتابیں آپ نے حضرت مولوی صاحب سے ہی پڑھیں۔

26 مئی 1908 ءکو جب حضرت مسیح موعودؑ وفات پاگئے۔ آپ 19 برس کے تھے۔ اس وقت آپ نے یہ عظیم الشان عہد کیا کہ الٰہی اگر سارے لوگ بھی حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کو چھوڑ جائیں گے تو پھر بھی میں اپنے عہد پر قائم رہوں گا اور حضرت مسیح موعودؑ جس مقصد کے لئے مبعوث ہوئے تھے اسے پورا کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک دن اس امر کا گواہ ہے جو آپ نے عہد کیا وہ پورا کر دکھایا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو خدا تعالیٰ سے بے انتہا محبت تھی۔ آپ کی تمام زندگی قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق گزری ہے۔

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

ترجمہ: تو کہہ دے کہ میری عبادت اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔ (الانعام:163)

آپؓ کے 52 سالہ دور خلافت کا ایک ایک دن شاہد ہے کہ مخالفتوں کی آندھیاں چلیں، فتنے اٹھے جماعت کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی گئیں مگر آپ کو اللہ تعالیٰ پر کامل توکل رہا۔ اور اللہ تعالیٰ کا سایہ بھی ہر آن آپ پر رہا۔ آپ فرماتے ہیں:

”جو خدا تعالیٰ جس سے محبت کرتا ہے اس کے سامنے سب کچھ ہیچ ہو جاتا ہے۔ تم اس کے لئے کوشش کرو کہ خدا تعالیٰ تم سے محبت کرے تاکہ اس کی مدد اور نصرت تم کو مل جائے۔ اور جب اس کی نصرت تمہارے ساتھ شامل ہوجائے تو پھر ساری دنیا ہے کیا چیز! وہ تو ایک کیڑے کی بھی حیثیت نہیں رکھتی۔“

آپ کو آنحضرت ﷺ سے بے انتہا عشق تھا۔ جب آپ آنحضور ﷺ کا نام لیتے تو آپ کی آواز میں لرزش اور آنکھوں میں آنسوآجاتے تھے۔ آپ کے اشعار اس مضمون پر مزید روشنی ڈالتے ہیں۔

مجھے اس بات پر ہے فخر محمود
مرا معشوق محبوب خدا ہے
اسی سے میرا دل پاتا ہے تسکین
وہی آرام میری روح کا ہے
ہو اس کے نام پر قربان سب کچھ
کہ وہ شہنشاہ ہر دوسرا ہے

اسی طرح قرآن مجید سے آپ کو بے نظیر عشق تھا ۔ آپ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھ کر اس کی اشاعت کی وہ تاریخ احمدیت کا روشن باب ہے ۔ جن دنوں آپ نے تفسیر کبیر لکھی نہ آرام کا خیال رہتا تھا نہ سونے کا نہ کھانے کا۔ بس ایک دھن تھی کہ کام ختم ہوجائے رات کو عشاء کی نماز کے بعد لکھنے بیٹھتے ہیں تو کئی دفعہ ایسا ہوا کہ صبح کی اذان ہوگئی اور لکھتے چلے گئے۔ ڈاکٹر کہتے تھے کہ آرام کریں زیادہ محنت نہ کریں مگر آپ کو ایک دھن تھی کہ قرآن کے ترجمہ کا کام ختم ہو جائے۔

افراد جماعت آپ کو غیر معمولی محبت تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ جماعت کے افراد آپ کو اپنی بیویوں، اپنے بچوں اور اپنے عزیزوں سے بہت زیادہ پیارے تھے ان کی خوشی سے آپ کو خوشی پہنچتی تھی اور ان کے دکھ سے آپ کرب میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ جب آپ خلیفہ منتخب ہوئے تو اسی سال جلسہ سالانہ پر خطاب کرتے فرمایا:

”کیا تم میں اور ان میں جنہوں نے خلافت سے روگردانی کی ہے کوئی فرق ہے؟ ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ تمہارے لئے ایک شخص تمہارا درد رکھنے والا، تمہاری محبت رکھنے والا، تمہارے دکھ کو اپنا دکھ جاننے والا، تمہاری تکلیف کو اپنی تکلیف جاننے والا، تمہارے لئے خدا کے حضور دعائیں کرنے والا ہے۔ مگر ان کے لئے نہیں تمہارا اسے فکر ہے درد ہے اور وہ تمہارے لئے اپنے مولا کے حضور تڑپتا رہتا ہے لیکن ان کے لئے ایسا کوئی نہیں ہے۔ کسی کا اگر ایک بیمار ہو تو اس کو چین نہیں آتا لیکن تم ایسے انسان کی حالت کا اندازہ کر سکتے ہو جس کے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بیمار ہوں۔“ (برکات خلافت انوار العلوم جلد 2 صفحہ 156)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے طبقہ نسواں پر عظیم الشان احسانات ہیں۔ آپ کے دور خلافت میں احمدی عورت نے علم میں ، عمل میں ، قربانی میں ، نیکی و طہارت میں آپ کے زیر سایہ جس قدر ترقی کی اس کی مثال کسی قوم میں نہیں مل سکتی۔ 1922ء میں آپ نے لجنہ اماء اللہ کا قیام فرما کر مستورات میں ہر احساس پیدا کیا کہ وہ بنی نوع انسان کا ایک جزو لاینفک ہیں۔ اور قوموں کی ترقی میں ان کا بھی ہاتھ ہے آپ فرماتے ہیں:

”حقیقت یہی ہے کہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ مجھے خدا تعالیٰ نے الہاماً فرمایا ہے کہ اگر پچاس فیصدی عورتوں کی اصلاح کرلو۔ تو اسلام کو ترقی حاصل ہو جائے گی۔ گویا خدا تعالیٰ نے اسلام کی ترقی کو تمہاری اصلاح کے ساتھ وابستہ کردیا ہے۔ جب تک تم اپنی اصلاح نہ کرلو ہمارے مبلغ خواہ کچھ کریں کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔“

(الازھارلذوات الخمار صفحہ 641)

خلافت ثانیہ کا مبارک دور 14 مارچ 1914 کو شروع ہوا اور 8نومبر 1965 کو ختم ہوا۔یہ ایک تاریخ ساز دور تھا حضرت مصلح موعودؓ نے اسلام اور سلسلہ احمدیہ کی ترقی کے لئے عظیم الشان کارنامے سر انجام دیئے جس نے جماعت کی علمی و روحانی ترقی اور تعلیم و تربیت میں نہایت اہم کردار ادا کیا ور خدا تعالیٰ کے فضلوں کے ساتھ جماعت کا میابی و کامرانی کے ساتھ فتح و نصرت کی نئی منزلوں کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ آپ حضرت مسیح موعودؑ کی مقبول دعاؤں کا عظیم ثمرہ تھے۔ آپ کا وجود قبولیت دعا کا ایک زندہ اور مجسم معجزہ تھا۔ دعاؤں کے ساتھ آپ کو ایک عجیب نسبت تھی اپنی جماعت کے نام ایک پیغام میں فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو اور آپ کے قدم کو ڈگمگانے سے محفوظ رکھے۔ سلسلہ کا جھنڈا نیچا نہ ہو۔اسلام کی آواز پست نہ ہو، خدا کا نام ماند نہ پڑے، قرآن سیکھو اور حدیث سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ اور خود عمل کرو اور دوسروں سے عمل کراؤ۔ زندگیاں وقف کرنے والے ہمیشہ تم میں ہوتے رہیں۔ خلافت زندہ ہے اور اس کے گرد جان دینے کے لئے ہر مومن آمادہ کھڑا ہو۔ صداقت تمہارا زیور، امانت تمہارا حسن اور تقویٰ تمہارا لباس ہو۔ خدا تمہارا ہو اور تم اس کے ہو۔ آمین“(الفضل 11 نومبر 1965)

اس موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ہمیں ہماری ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اب ہمارا بھی کام ہے کہ اپنے دائرے میں مصلح بننے کی کوشش کریں ۔ اپنے علم سے، اپنے قول سے، اپنے عمل سےاسلام کے خوبصورت پیغام کو ہرطرف پھیلائیں۔ اصلاح نفس کی طرف بھی توجہ دیں ۔ اصلاح اولاد کی طرف بھی توجہ دیں اور اصلاح معاشرہ کی طرف بھی توجہ دیں۔ اور اس اصلاح اور پیغام کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے بھرپور کوشش کریں۔ جس کا منبع اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بنایا تھا۔ پس اگر ہم اس سوچ کے ساتھ اپنی زندگیاں گزارنے والے ہوں گے تو یوم مصلح موعود کا حق ادا کرنے والے ہوں گے۔“ (خطبات مسرور جلد 9 صفحہ 9-91)

امۃ القیوم انجم۔کینیڈا

ارضِ ربوہ جس کی شاہد ہے، وہ معمولی نہ تھا

دنیا میں تاریکی اور کفر کے اسلام پر حملہ کے وقت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جن روشن نشانوں کے ساتھ مبعوث فرمایا ان میں سے ایک عظیم الشان نشان ''مصلح موعود'' کا ظہور تھا۔

یوں تو سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ کی آمد کے اشارے حدیثِ پاک اور صحفِ سابقہ میں بھی ملتے ہیں مگر امت کے بعض بزرگوں نے جن میں نعمت اللہ ولی جیسے عارف باللہ بھی شامل ہیں، نےمہدیٔ آخرالزماں اور ان کے اس فرزندِ دلبند گرامی ارجمند کا ذکر ذرا کھل کر کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں:

عیسیٰ وقت و مہدیٔ دوراں
ہر دو راشاہسوار مے بینم
دوراو چوں شود تمام بکام
پسرش یادگار مے بینم

یعنی یہ موعود بیٹا اپنے باپ کی خوبو اور رنگ ڈھنگ پر ہو گا اور نبیوں والی اولوالعزمی کا وارث ہوگا۔

ہزاروں ہمتیں قربان ہوں اس ابنِ مہدیٔ موعود علیہ السلام پر جس نے اپنے عزم اور ہمت سے طوفانوں میں سے گزر کر کامیابیوں کو چھوا ۔ پیشگوئیوں کے الفاظ اس ذات میں اس طرح پورے ہوتے دکھائی دیتے ہیں گویا وہ کوئی انسان نہیں انجمن ہے۔ پھول نہیں بلکہ گلدستہ ہے۔ آئیے اس موعود کی زندگی سے عزم و استقلال کی چند مثالوں کو تازہ کریں۔

1900ء میں جبکہ آپ کی عمر گیارہ سال تھی آپ نے ایک دن اشراق کے وقت وضو کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جبہ پہن کر کمرے کا دروازہ بند کرکے نماز شروع کی اور خوب روئے اور اقرار کیا کہ اب کبھی نماز نہیں چھوڑوں گا اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے آپؓ خود فرماتے ہیں ''گیارہ برس کی عمر میں مجھ میں کیا عزم تھا اس واقعہ کے بعد میں نے کبھی نماز نہیں چھوڑی''

(سوانح فضل عمر جلد1 صفحہ 96)

ابھی آپؓ کی جوانی کی اُٹھان ہی تھی کہ مسیح پاک علیہ السلام کا سانحہ ارتحال پیش آیا اس وقت جبکہ آپ کی عمر صرف اور صرف انیس سال تھی آپؓ نے اپنے مقدس باپ کے سرہانے کھڑے ہو کر عہد کیا کہ

''اے خدا !میں تجھ کو حاضروناظر جان کر تجھ سے سچے دل سے عہد کرتا ہوں کہ اگر ساری جماعت، احمدیت سے پھر جائے تب بھی وہ پیغام جو حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعے تو نے نازل فرمایا ہے اس کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلاؤں گا''

(الفضل 21 جون 1944ء)

یہ ایک عظیم عہد تھا ۔ زمانے نے چیلنج کے بعد چیلنج آپ کے سامنے لا کھڑا کیا مگر تاریخ شاہد ہے کہ اس اولوالعزم نے اپنے الفاظ کی پچ رکھی اور ہمیشہ ایک ہی سبق یاد رکھا

مستقل رہنا ہے لازم اے بشر تجھ کو صدا
رنج و غم یاس و الم فکر و بلا کے سامنے

جونہی آپ منصبِ خلافت پر رونق افروز ہوئے تو صاحبِ کلاہ و دستار اور جماعت کے جبہ پوشوں کو ایک دھکا لگا اور وہ روٹھ کر نہ صرف لاہور آ بیٹھے بلکہ ان کے ترکش کا ہر تیر اس وجود پر پڑنے لگا مگر اس کوہِ وقار کے پائے ثبات میں ذرا بھر بھی لغزش نہ آئی 25 سالہ اس نوجوان نے اپنے اور غیروں کے ہر وار کو اپنے سینہ پر لیا۔ نہ درماندہ ہوا نہ ہمت ہاری اور نہ ہی قافلے کی رفتار میں فرق آنے دیا۔ آنچ آنے نہ دی اس نےاسلام پر اپنے سینہ پہ ہر وار سہتا رہا ۔

آپؓ کے 52 سالہ دور خلافت کاایک ایک ورق اس بات کی شہادت کے لئے حاضر ہے کہ کس طرح اپنوں نے جانچا۔ غیروں نے پرکھا اور بار بار پرکھا۔ وہ آزمایا گیا اور وہ ستایا گیا مگر وہ تو تھا ہی کوہِ وقار،عزم کی چٹان اور ہمتوں کا شہزادہ ۔احرار نے ٹکر لی، حکومت نے طاقت آزمائی کی، سیاست دانوں نے چالیں چلیں، شعراء نے سحر کاری کی مگر سوائے شرمندگی اور نامرادی کے کسی کے ہاتھ میں کچھ بھی تو نہ آیا ۔ اس کا تو ایک ہی ماٹو اور ایک ہی نصب العین تھا۔

جا لپٹ جا لہر سے دریا کی کچھ پرواہ نہ کر

1934ء میں جب احرار نے فتنہ کھڑا کیا انہوں نے احمدیت کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہا ۔ انہوں نے قوم کے لیڈروں اور حکومت کی اشیرباد سے دنیائے احمدیت پر ہلہ بول دیا اور قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کا اعلان کر دیا تو اس وقت خدا ئے تعالیٰ کا یہ بلند ہمت اور پر عزم شیر دھاڑا اور فرمایا ''دنیا کی تمام طاقتیں جمع ہیں ۔احراری بھی ہیں ، پیرزادے بھی ہیں، دیوبندی بھی ہیں ...شاعر اور فلاسفر بھی ان کے ساتھ ہیں ... گویا دنیا اپنی تمام طاقتیں احمدیت کے کچلنے پر صرف کرنے کے لئے آمادہ ہو رہی ہے...اپنی ساری طاقتیں جمع کرکے احمدیت کو مٹانے کے لئے تل جاؤ پھر بھی یاد رکھو کہ سب کے سب ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے ...''

(الفضل 30 مئی 1935ء)

آپؓ کومخالفین کے لئے نرمی اختیار کرنے کا مشورہ دیا گیا تو آپؓ نے ایک یقین کامل کے ساتھ واضح کر دیا کہ جس قدر فتنہ بڑھتا ہے اسی قدر ہمیں یقین ہوتا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ جماعت احمدیہ کی تائید میں کوئی نشان دکھانا چاہتا ہےاور آپ کسی قسم کی مداہنت اور نرمی کر کے خدا تعالیٰ کے نشان کو دھندلا نہیں کرنا چاہتے تھے ۔ چنانچہ ایسے نازک وقت میں جبکہ قادیان مخالفت کے خوفناک طوفانوں کی لپیٹ میں تھا آپؓ نے فرمایا ۔

''خدا مجھے اور میری جماعت کو فتح دے گا کیونکہ خدا تعالیٰ نے جس راستہ پر مجھے کھڑا کیا ہے وہ فتح کا راستہ ہے جو تعلیم مجھے دی ہے وہ کامیابی تک پہنچانے والی ہے اور جن ذرائع کے اختیار کرنے کی اس نے مجھے توفیق دی ہے وہ کامیاب و بامراد کرنے والے ہیں اس کے مقابلے میں زمین ہمارے دشمنوں کے پاؤں سے نکل رہی ہے اور میں ان کی شکست کو ان کے قریب آتے دیکھ رہا ہوں وہ جتنے زیادہ منصوبے کرتے اور اپنی کامیابی کے نعرے لگاتے ہیں اتنی ہی نمایاں مجھے ان کی موت دکھائی دیتی ہے''

(الفضل 30 مئی 1935ء)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان بدر کے موقع پر پھینکی جانے والی کنکریوں کی مٹھی ثابت ہوا جس نے آن واحد میں مخالفوں کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور وہ خائب و خاسر رہے بلکہ اس طوفان کی کوکھ سے تحریک جدید کا وہ شگوفہ پھوٹا جس کے خوشنما پھولوں سے آج ایک عالم معطر ہو رہا ہے

آپؓ کبھی بڑی سے بڑی مخالفت سے بھی نہ گھبرائے اور ہمیشہ اپنے خدا پر یقین رکھا۔ 1953ء کے طوفان بے تمیزی کے موقع پر جبکہ دشمن جماعت کو کھا جانے کے لئے تیار تھا ملک میں لاقانونیت تھی امن و امان قائم کرنے والی طاقتیں بےبس دکھائی دے رہی تھیں ۔ روزنامہ الفضل کی بندش کر کے امام جماعت اور افرادِ جماعت کے درمیان رابطے کے اہم ذریعے کو منقطع کر دیاگیا تو اس وقت آپؓ نے جماعت کو ایک پر عظم راہنما کے طور پر تسلی دیتے ہوئے لاہور سے جاری کردہ ''فاروق'' اخبار کے پہلے ہی پرچہ میں پیغام دیا ۔

''الفضل کو ایک سال کے لئے بند کر دیا گیا ہے احمدیت کے باغ کو جو ایک ہی نہر لگتی تھی اس کا پانی روک دیا گیا ہے پس دعائیں کرو اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو ان شاء اللہ فتح ہماری ہے ۔کیا آپ نے گزشتہ 40سال میں کبھی دیکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے چھوڑ دیا ؟ تو کیا اب وہ مجھے چھوڑ دے گا ؟ ساری دنیا مجھے چھوڑ دے مگر وہ ان شاء اللہ مجھے کبھی نہیں چھوڑے گا سمجھ لو کہ وہ میری مدد کو دوڑا چلا آ رہا ہے وہ میرے پاس ہے وہ مجھ میں ہے خطرات ہیں اور بہت ہیں مگر اس کی مدد سے سب دور ہو جائیں گے۔'' (سوانح فضل عمر جلد 4 صفحہ 352)

مکہ کی بے آب و گیاہ وادی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانیوں اور دعاؤں کی بدولت اسلام کا مرکز بن چکی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ حضرت مریم علیہ السلام کے ساتھ ایک ربوہ میں پناہ لی تھی تو آج دور مسیح آخر الزماں اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے وقت میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ پھر ان نبیوں جیسی اولو العزمی دکھا کر اس یاد کو تازہ کر دیا کہ آپؓ نے بھی اپنی والدہ حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربوہ کو دار الامان بنایا۔ لٹے پٹے قافلے کے ساتھ ہجرت کر کے آنے والے اس فرزند مسیح الزماں نے ایک لق و دق چٹیل میدان میں ، جہاں نہ پانی تھا نہ سبزہ، نہ چرند تھا نہ پرند ، جس کا سارا سرمایہ گردا تھا اور صرف گردا ، وہاں خیمے لگا دیئے تو ہمت اور عزم کی کوکھ سے ایک شہر آباد ہو گیا اور پھر یہیں سے چہار دھانگ عالم میں اسلام کی بازگشت سنائی دینے لگی ۔ یہ ربوہ وہی سرزمین ہے جس کی بنیاد رکھتے ہوئے اس کے چاروں کونوں میں بکروں کی قربانی خدا تعالیٰ کے حضور پیش کی گئی اور اس کے وسط میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے ایک بکرا ذبح کیا اور اس کے بارے میں فرمایا۔''یہ کبھی وہم نہ کرنا کہ ربوہ اجڑ جائے گا ۔ربوہ کو خدا تعالیٰ نے برکت دی ہے ۔ربوہ کے چپہ چپہ پر اللہ اکبر کے نعرے لگے ہیں ربوہ کے چپہ چپہ پر حضرت محمد رسول اللہ پر درود بھجوایا گیا ہے ...یہ بستی قیامت تک خدا تعالیٰ کی محبوب بستی رہے گی اور قیامت تک اس پر برکتیں نازل ہوں گی۔ اس لئے کبھی نہیں اجڑے گی ۔ کبھی تباہ نہیں ہو گی بلکہ حضرت محمد رسول اللہ کا جھنڈا دنیا میں کھڑا کرتی رہے گی''

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ کی خوبیوں کی داستان تو سمٹے نہیں سمٹتی ۔ آپؓ کی انہی بے پناہ خوبیوں کو دیکھ کر انسان ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے اور زبان سے بے ساختہ نکلتا ہے۔

ملت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION
ANDROID APP ON Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء
درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
0044 74 9378 5065
0044 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

روزنامہ الفضل کی اہمیت و برکات

افاضات حضرت مصلح موعودؓ

روزنامہ اخبار کی اہمیت

سب سے آسان ذریعہ کتاب ہے یا تازہ اخبار کا مطالعہ۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

’’ہفتہ واری یا دوسرے اخبار گو مفید ہوتے ہیں مگر اس سے معلومات روزانہ اخبار کی طرح نہیں ہو سکتے۔ میرے پاس پانچ روزانہ اخبار، پندرہ سولہ رسالے آتے ہیں مگر میں اپنے گھر میں دیکھتا ہوں کہ روزانہ اخبار کے مطالعہ کی طرف بہت کم توجہ ہے۔ رسالے تو پڑھ لیتی ہیں حالانکہ رسالوں سے زیادہ اخباروں میں معلومات ہوتی ہیں۔ علم کی ترقی خبروں سے ہوتی ہے نہ کہ مضمونوں سے۔ رائے پڑھنا بیوقوفی ہے خبریں زیادہ مفید ہوتی ہیں۔ میں نے اخبار والوں کی رائے کو کبھی نہیں پڑھا کیونکہ میں خود رائے رکھتا ہوں۔ چاہئے کہ ہم اپنی رائے رکھیں۔ خبروں کی طرف خاص توجہ ہو۔ دوسروں کے آراء پر کبھی اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔ آراء تو مختلف بھی ہوا کرتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک ہی الہام سے کوئی کافر ہو جاتا ہے کوئی مومن۔ یعنی کسی کی رائے ہوتی ہے کہ یہ جھوٹ ہے’ کوئی کہتا ہے کہ یہ درست ہے۔ اس پر صداقت کھل جاتی ہے۔ غرض دونوں رائیں اپنی اپنی طرز کی ہوں گی۔ رائے پڑھنے والا رائے سے متاثر ہو گا نہ اصل حقیقت سے۔ میں اس کی مثال کے طور پر غیر مبائعین کے اخبار پیغام صلح کی ایک خبر بتاتا ہوں۔ میری خلافت کے شروع ایام میں اس میں ایک خبر شائع ہوئی جس کے عنوان اس قسم کے تھے کہ ’’حقیقت کھل گئی‘‘۔ ’’راز طشت ازبام ہو گیا‘‘۔ ’’محمود کی سازش ظاہر ہو گئی‘‘۔ لیکن نیچے میری نسبت خبر درج تھی کہ میں رات کو لوگوں کو جگاتا پھرتا تھا کہ اٹھو اور نمازیں پڑھو اور دعائیں کرو تا اللہ تعالیٰ جماعت کو فتنہ سے بچائے۔ اس پر کئی دوستوں کے میرے پاس خط آئے کہ کیا یہ صحیح بات ہے۔ میں نے لکھا کہ گھبراتے کیوں ہو۔ کیا دعا کرنا گناہ ہے؟ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ چوری کرو، ڈاکے ڈالو، تو اخباروں کی ہیڈنگ سے ڈرنا نہیں چاہئے۔

الفضل کا مطالعہ ضروری ہے

خصوصیات سلسلہ کے لحاظ سے یہاں کے اخباروں میں سے دو اخبار الفضل و مصباح کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس سے نظام سلسلہ کا علم ہو گا۔ بعض لوگ اس وجہ سے ان اخباروں کو نہیں پڑھتے کہ ان کے نزدیک ان میں بڑے مشکل اور اونچے مضامین ہوتے ہیں ان کے سمجھنے کی قابلیت ان کے خیال میں ان میں نہیں ہوتی۔ اور بعض کے نزدیک ان میں ایسے چھوٹے اور معمولی مضامین ہوتے ہیں وہ اسے پڑھنا فضول خیال کرتے ہیں۔ یہ دونوں خیالات غلط ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو کبھی کوئی لائق استاد بھی ملا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ایک بچے سے زیادہ کوئی نہیں ملا۔ اس نے مجھے ایسی نصیحت کی کہ جس کے خیال سے میں اب بھی کانپ جاتا ہوں۔ اس بچے کو بارش اور کیچڑ میں دوڑتے ہوئے دیکھ کر میں نے اسے کہا۔ میاں کہیں پھسل نہ جانا۔ اس نے جواب دیا ۔امام صاحب! میرے پھسلنے کی فکر نہ کریں اگر میں پھسلا تو اس سے صرف میرے کپڑے ہی آلودہ ہوں گے مگر دیکھیں کہ کہیں آپ نہ پھسل جائیں آپ کے پھسلنے سے ساری امت پھسل جائے گی۔ پس تکبر مت کرو اور اپنے علم کی بڑائی میں رسائل اور اخبار کو معمولی نہ سمجھو۔ قوم میں وحدت پیدا کرنے کے لئے ایک خیال بنانے کے لئے ایک قسم کے رسائل کا پڑھا ضروری ہے۔

(مستورات سے خطاب انوارالعلوم جلد 11 صفحہ 66-67)

اخبار نویسی

پانچواں علم اخبار نویسی کا علم ہے۔ انگریزی میں اس کو جرنل ازم (Journalism) اور عربی میں صحافت کہتے ہیں۔ یہ علم بھی بڑا وسیع علم ہے۔ ہمارے ملک میں تو نہیں مگر یورپ اور امریکہ میں اس کے بڑے بڑے مدرسے ہیں جن میں اخبار نویسی کا فن سکھایا جاتا ہے۔ اس فن کی بہت سی شاخیں ہیں۔ کس طرح اخبار کا لیڈر لکھا جائے۔ خبروں کو کس طرح چنا جائے اور کس طرح پر ان کی ترتیب ہو۔ عنوان کیسے قائم کئے جائیں کہ اخبار پڑھنے والے پر اس کا فوری اثر ہو اور وہ اس کے مضمون کو عنوان ہی سے سمجھ لے۔ کس طرح پر ایک مضمون یا واقعہ کو لکھا جائے کہ وہ اپنے مفید مطلب ہو سکے۔ مثلاً زید اور بکر لڑتے ہیں۔ زید کا دوست ایسے طور پر بیان کرتا ہے کہ زید مظلوم تھا اور بکر کے دوست ایسے طور پر کہ بکر مظلوم سمجھا جائے غرض یہ بڑا علم ہے اور اس کی مختلف شاخیں ہوتی ہیں جن میں سے بڑی یہ ہیں کہ کس طرح پر اخبار مفید اور دلچسپ ہو سکے اور پبلک کی رائے کا وہ آئینہ ہو جائے اور وہ اپنا اثر ڈال سکے۔ پھر اخبارات کی حد بندی ہوتی ہے مثلا بعض مذہبی اخبار ہوتے ہیں بعض تجارتی بعض کسی خاص جماعت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور سیاسی اغراض میں بھی ان کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔

(تقاریر ثلاثہ انوار العلوم جلد 7 ص137)

حضرت مصلح موعودؓ کی اطفال کو نصائح

نونہالانِ جماعت مجھے کچھ کہنا ہے
پر ہے یہ شرط کہ ضائع مرا پیغام نہ ہو
خدمتِ دین کو اک فضلِ الٰہی جانو
اس کے بدلہ میں کبھی طالبِ انعام نہ ہو
رغبتِ دل سے ہو پابند نمازو روزہ
نظرانداز کوئی حصۂ احکام نہ ہو
عادتِ ذکر بھی ڈالو کہ یہ ممکن ہی نہیں
دل میں ہو عشقِ صنم لب پہ مگر نام نہ ہو
عقل کو دین پہ حاکم نہ بناؤ ہر گز
یہ تو خود اندھی ہے گر نیرِ الہام نہ ہو
کام مشکل ہے بہت منزلِ مقصود ہے دور
اے مرے اہلِ وفا سست کبھی گام نہ ہو

(کلام محمود)

اپنے اپنے دائرے میں مصلح بننے کی کوشش کریں

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’ پس آج ہمارا بھی کام ہے کہ اپنے اپنے دائرے میں مصلح بننے کی کوشش کریں ۔ اپنے علم سے، اپنے قول سے ، اپنے عمل سے اسلام کے خوبصورت پیغام کو ہر طرف پھیلادیں۔اصلاحِ نفس کی طرف بھی توجہ دیں۔اصلاح اولاد کی طرف بھی توجہ دیں اور اصلاح معاشرہ کی طرف بھی توجہ دیں۔اور اُس اصلاح اور پیغام کودنیا میں قائم کرنے کے لئے بھر پور کوشش کریں۔جس کا منبع اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بنایا تھا۔ پس اگر ہم اس سوچ کے ساتھ اپنی زندگیاں گزارنے والے ہوں گے تو یوم مصلح موعود کا حق ادا کرنے والے ہوں گے۔‘‘

(خطبہ جمعہ مورخہ 18فروری 2011ء)

طلوع و غروب آفتاب

18فروری 2020ء		طلوع	غروب
مکہ مکرمہ		05:35	18:19
مدینہ منورہ		05:37	18:17
لندن		05:20	17:23
قادیان		05:46	18:16
ربوہ		05:26	17:56